"لَعَنَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَشَاهِدَهُ وَكَاتِبَهُ" ابوداؤد: ۳۳۳۵

انشورنس کے متبادل

مروّجہ تکافل کا فقہی جائزہ

بمع تحریرات متفرقہ

کیا تکافل کا نظام اسلامی ہے؟ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہم

شرعی اور مروجہ تکافل کا تقابلی جائزہ مولانا ذوالفقار علی صاحب زید مجدہم

جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کا فتویٰ

پسند فرمودہ

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہ

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب زید مجدہ

جامع و مرتب

مفتی محمد راشد ڈسکوی عفا اللہ عنہ

رفیق شعبہ تصنیف و تالیف استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

انشورنس کے متبادل

مروجہ تکافل کا فقہی جائزہ

"لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ آکِلَ الرِّبَا وَمُؤْکِلَہٗ وَشَاھِدَہٗ وَکَاتِبَہٗ۔" (ابوداؤد: ۳۳۳۵)

انشورنس کے متبادل

مروّجہ تکافُل کا فقہی جائزہ

بمع تحریرات متفرقہ

کیا تکافل کا نظام اسلامی ہے؟...... (ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہ)

شرعی اور مروجہ تکافل کا تقابلی جائزہ...... (مولانا ذوالفقار علی صاحب حفظہ اللہ)

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کا فتویٰ

پسند فرمودہ

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہ

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب زید مجدہ

جامع و مرتب

مفتی محمد راشد ڈسکوی عفا اللہ عنہ

رفیق شعبہ تصنیف و تالیف و استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ عمر فاروقؓ

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345

نام کتاب .... مروجہ تکافل کا فقہی جائزہ

جامع و مرتب .... مفتی محمد راشد ڈسکوی عفا اللہ عنہ

اشاعت اول .... جولائی 2013ء

تعداد 1100

طابع .... القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر .... مکتبہ عمر فاروق 4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی

021-34594144 Cell: 0334-3432345

ای میل .... Mfarooq12317@yahoo.com

قارئین کی خدمت میں

کتاب ہذا کی تیاری میں تصحیح کتابت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، تاہم اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو التماس ہے کہ ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کا تدارک کیا جاسکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی

ادارۃ الانور، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

جامع مسجد بلال: ناظم آباد نمبر ۲ کراچی
0321-2343648

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ

کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

مکتبہ العارفی، جامعہ امدادیہ ستیانہ روڈ فیصل آباد

مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور

مکتبہ علمیہ، جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

وحیدی کتب خانہ، محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو

استاذ محترم، رئیس دارالافتاء واستاذ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف افشانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

کی طرف منسوب کرتا ہوں،

جن کے حکم، ترغیب اور راہنمائی سے بندہ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا

اور یہ عجالۂ نافعہ منظرِ عام پر آیا۔

جزاہم اللہ احسن الجزاء

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

تقریظ

صدرِ وفاق المدارس العربیہ وصدر تنظیم المدارس پاکستان و مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی
حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
أما بعد! ماشاء اللہ آپ کی یہ کوشش مبارک ہے،
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کو خلقِ خدا کے لئے مفید
بنائیں اور آپ کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائیں، آمین

سلیم اللہ خان
جامعہ فاروقیہ کراچی
۲۱ر رجب، ۱۴۳۴ھ
یکم جون ۲۰۱۳ م

تقریظ

نائب صدر وفاق المدارس العربیہ و مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر **عبدالرزاق اسکندر** صاحب زید مجدہم العالیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین، أما بعد:

مروجہ تکافلی نظام کیا ہے؟ اس کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ اس نظام میں اور روایتی بیمہ پالیسی میں کوئی جوہری فرق ہے یا نہیں؟ جو حضرات فرق اور جواز کے قائل ہیں، ان کی رائے کی فقہی بنیاد کیا ہے؟ اس پر اہلِ علم کی بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی زیرِ نظر مجموعہ بھی ہے، جسے جامعہ فاروقیہ کے ایک استاد مولانا محمد راشد ڈسکوی صاحب حفظہ اللہ نے ترتیب دیا ہے، اس پر فقہی تبصرہ تو اہلِ فتویٰ کا کام ہے۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس کوشش کو قبول فرمائے۔ اسے اپنے موضوع کی علمی تحقیقات میں عمدہ اضافہ کا درجہ نصیب فرمائے اور عوام و خواص کی راہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

وصلّی اللّٰہ وسلّم علیٰ سیدنا محمدٍ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین.

فقط والسلام

عبدالرزاق اسکندر

۴ / ۶ / ۱۴۳۴ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب زید مجدہم

شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء جامعۃ الحمید، شارع رائے ونڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلّي على رسوله الكريم

ہر دور میں اسلام کو مسخ کرنے کی مختلف رنگوں میں سازشیں کی گئی اور اس دور میں بھی یہ سلسلے جاری ہیں، اسی کی ایک کڑی سودی نظام کو جائز قرار دینے کے لیے تعبیرات کو تبدیل کر کے راستہ ہموار کرنے کی بھی ہے۔

چناں چہ انشورنس / بیمہ کو جائز قرار دینے کے لیے تعبیرات تبدیل کر کے ''تکافل'' کا نام دیا گیا، جس میں دیگر بہت ساری خرابیوں کے ساتھ ساتھ عقدِ مضاربت میں عقد کے دونوں فریق ''رب المال اور مضارب'' کا منصب ایک ہی فرد، یعنی: ڈائریکٹرز سنبھالے ہوئے ہیں، جس کی شرعاً بالکل بھی گنجائش نہیں ہے۔ فیا للعجب ولضيعة الفقاهة.

جناب محترم مولانا محمد راشد ڈسکوی سلمہ اللہ العزیز نے اس نظام کی بنیادوں کا فقہی جائزہ لیتے ہوئے مفصل تعاقب کر کے بہتر طریقہ سے اسلام کا دفاع کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر مزید دینی خدمات کی توفیق سے نواز دے۔ آمین ثم آمین

حمید اللہ عفی عنہ

۲۳/ جمادی الأخریٰ ۱۴۳۴ھ

تقریظ

حضرت اقدس مولانا مفتی محمد رفیق صاحب بالاکوٹی دامت برکاتہم
نائب مفتی ونگران شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء
واستاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ، مبارکاً علیہ، کما یحب ویرضیٰ، والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ المصطفیٰ، وآلہ، وصحبہ البررۃ الأتقیاء.

أما بعد!

کفالت، کفالتِ عامہ اور تکافل کا لغوی استعمال بالعموم اور فقہی اطلاق گاہے بگاہے ملتا ہے۔ کسی کی ذمہ داریاں اپنے ذمہ لینا یا زیرِ دست لوگوں کی جانی و مالی دیکھ بھال کرنا کفالت ہے، اس کا دائرہ کار چند افراد سے معاشرہ تک وسیع ہو جائے تو اس پر کفالتِ عامہ کا اطلاق ہونے لگتا ہے۔

عامۃ الناس اور عامۃ المسلمین کی کفالت کے لیے شریعت نے امت کے اغنیاء پر ایسے مالی وظائف عائد کر رکھے ہیں، جن سے امت کے فقراء کی کفالت کا نظم قائم ہوتا ہے، اس کے علاوہ بھی شریعت نے حکومتِ وقت اور عامۃ الناس پر شرعی و اخلاقی فرض کے طور پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ معاشرہ کے ضرورت مند لوگوں کی ضروریات کا بار اپنے ذمہ اُٹھائیں اور ان کی کفالت کریں، چنانچہ اس شرعی و معاشرتی نظم کے تحت باہمی احتیاجات وضروریات میں ایک دوسرے کے کام آنے، ذمہ داریوں کو باہمی بانٹنے پر ''تکافل'' کا لفظی اطلاق بالکل درست اور بجا ہے۔

مگر پچھلے کچھ عرصہ سے بعض لوگ انشورنس کے متبادل کے طور پر ''تکافل'' کے نام سے ایک کفالتی ادارہ متعارف کروا رہے ہیں، جسے انشورنس کی افادیت کا حامل اور اس کی خرابیوں سے پاک قرار دے رہے ہیں، اس کے لیے انہوں نے فقہی بنیادیں تلاشنے کا دعویٰ فرما رکھا ہے، ہمیں ان کی نیت اور اَہداف سے بحث نہیں ہے۔

ہمارے پیشِ نظر صرف یہ اَمر ہے کہ فقہ سے انشورنس کے متبادل ڈھونڈ نکالنے کا دعویٰ بظاہر بے جا ہے، کیوں کہ ''تکافل'' کے مروجہ و مبینہ طریقۂ کار، اغراض و مقاصد سے صاف نظر آتا ہے کہ مجوزین حضرات نے روایتی انشورنس کے سود اور جوے سے بھرے ہوئے تالاب کا نام حوض (Pool) رکھا، پھر اُسے مغربی سرمایہ دارانہ فکر کے فضلاتی جرثوموں سے جنم لینے والا ''شخصِ معنوی'' مان لیا اور اس شخصِ معنوی کے بارے میں حقیقی انسان جیسے تصرفات واختیارات کا اہل ہونے کا اعتقاد قائم کرلیا ہے، یہ شخصِ معنوی (پول)، تکافل کے حصہ دار یعنی پریمیم ہولڈر (Premium holder) کی رقم بطورِ وقف کے قبضہ کر لیتا ہے اور پریمیم ہولڈر (Premium holder) کے نقصان کی تلافی کی ذمہ داری اپنے کھاتے میں لے لیتا ہے، اس نقد رقم کے وقف ہونے اور وقف کے تقاضے پورا ہونے سے متعلق فقہی اشکالات سے مَفر کے لیے کبھی اسے ''تبرع'' کہا جاتا ہے، جب تبرع قرار دینا قابلِ اشکال ٹھہرے تو ''ہبہ بشرط العوض'' قرار دے دیا جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں یہ پس و پیش فقہ اسلامی کی کوئی ایسی قابلِ ذکر خدمت نہیں ہے، جسے فقہَ اسلامی کی تطبیقِ جدید کہا جا سکے، بلکہ اس کے برعکس یوں کہنا زیادہ آسان ہے کہ درحقیقت ''مروجہ تکافل'' کے نام سے روایتی انشورنس کو اپنی خصوصیات کے ساتھ اسلامیانے (Islamization) کی کوشش کی گئی ہے، جس کے نتیجہ میں وہ سادہ لوح مسلمان جو انشورنس کے ظاہری لیبل سے بچنے کی کوشش کیا کرتے تھے، اب تکافل کا نام

لیتے ہوئے روایتی انشورنس کے تالاب سے ہی پاکیزگی حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔

اسے جو اچھائی اور کامیابی جانتا ہے، اس کی اپنی دنیا و آخرت!!! ہم اِسے روایتی انشورنس سے الگ نہیں سمجھتے اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

ہم پورے وثوق سے یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ مروجہ تکافل سے بالواسطہ یا بلا واسطہ استفادی رشتہ استوار کیے ہوئے چند حضرات کے بجز دیگر اہلِ علم مروجہ تکافل کو روایتی انشورنس کا ہی چربہ قرار دیتے ہیں اور مبتلیٰ بہ عوام بھی کھلی آنکھوں سے یہی دیکھ رہے ہیں، مگر ہمارے بعض حضرات کی آنکھیں یہاں چندھیائی ہوئی ہیں۔

مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ''مروجہ تکافل'' کا جواز پیش کرتے ہوئے بے دریغ بعض اکابرِ رفتگان کا نام بھی استعمال کر رہے ہیں، حالانکہ ان اکابر نے انشورنس کے متبادل کے طور پر جو لکھا تھا، ان کا مؤقف الحمد للہ مطبوعہ شکلوں میں موجود ہے۔ موجودہ اکابر اہلِ علم سے درخواست ہے کہ وہ اس کا تقابلی مطالعہ فرما کر ہم جیسے طالب علموں کو غلط بیانی اور غلط فہمی سے بچانے کے لیے یہ راہنمائی فرمائیں کہ ان اکابر کے مؤقف میں اور ہمارے مجوزین کی رائے گرامی میں کتنا قرب یا بُعد ہے؟ یہ ان کا احسان عظیم ہوگا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی، کراچی کے استاذ و رفیقِ دارالتصنیف حضرت مفتی محمد راشد ڈسکوی صاحب حفظہ اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے شیخ المشائخ حضرت مولانا سلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی سرپرستی ونگرانی میں اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور اس موضوع کا فقہی مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ بعض معتمد اور جامع تحریروں کو بھی اس مجموعہ کا حصہ بنایا، جن میں ہمارے دارالافتاء (بنوری ٹاؤن) کا ایک مطبوعہ فتویٰ بھی شامل ہے۔

یہ مجموعہ اہلِ علم کے لیے دعوتِ فکر بھی ہے، وہ اس موضوع پر سنجیدگی سے غور

فرمائیں کہ مروجہ تکافل صرف تجارت سے وابستہ افراد کے لیے ''بیمہ'' کی خدمات تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ اس کے اثرات سے مسجد اور مدرسہ کا ماحول بھی آلودہ ہونے لگا ہے۔ سفید ٹوپی اور کالی ڈاڑھی کے ساتھ بعض ''بیگ بردار فضلاء'' کو باقاعدہ مساجد و مدارس سے وابستہ علماء اور ان کے متعلقین کے پیچھے لگا دیا گیا ہے، جو انشورنس کمپنیوں کے ایجنٹوں کے طرز پر مصروفِ کار ہیں۔ خدانخواستہ ہماری خاموشی کے نتیجے میں ہمارے وہ فضلاء جنہیں اہلِ مدارس، عوام کے طعاون سے دین کی بقاء کے لیے مساجد و مدارس کے واسطے تیار کر رہے ہیں، وہ مساجد و مدارس کی بجائے تکافل کی ممبر سازی کے لیے تھیلے اُٹھائے گلی کوچوں میں سرگرداں رہیں، اگر فضلاءِ مدارس اسی کام کے ہو کے رہ گئے تو یہ کام مدرسہ اور وفاق کی سند کے بغیر بھی ہوسکتا ہے۔ اس طرزِ عمل سے مدارس کے اہداف اور معاونین کے مقاصد کی عملاً نفی لازم آئے گی، ولا سمح اللہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، ہمارے مؤلف محترم کی اس کوشش کو شرفِ قبولیت بخشے اور قارئین کے لیے فائدہ مند بنائے۔ آمین وماذٰلک علی اللہ بعزیز وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین.

فقط والسلام

کتبہ

بندہ رفیق احمد بالاکوٹی

یکے از خدام جامعۃ العلوم الاسلامیہ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ، بمطابق ۸/ مئی ۲۰۱۳ء

عرضِ مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذکورہ رسالہ تخصص سالِ دوم میں لکھے گئے مقالہ کا خلاصہ ہے، مقالہ لکھنے کی کوششوں کا تذکرہ تفصیلی پیش لفظ میں آرہا ہے، یہ چند باتیں اہلِ علم حضرات کے سامنے بطورِ تمہید ذکر کی گئی ہیں تاکہ اس موضوع کے ہر گوشے پر سوچتے ہوئے پختہ بنیادوں پر عوام کے سامنے کوئی راہِ عمل پیش کی جاسکے۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر اس رسالے میں اولاً بندہ کا مضمون ہے جس کے دو باب ہیں: باب اول ''انشورنس کے متبادل نظامِ تکافل پر ایک نظر، ایک جائزہ'' کے نام سے ہے اور باب دوم ''اسلام کا نظام کفالتِ عامہ'' کے نام سے ہے۔

باب اول میں اس نظام کا فقہی طور پر جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے، اور کھوکھلی بنیادوں کو واضح کیا گیا ہے اور باب دوم میں اسلامی نظامِ خلافت کے دور میں امت مسلمہ کی کفالت کس طریقے سے کی جائے گی، اس کا بیان ہے۔

بعد ازاں بعض احباب کی طرف سے اس بات کا تقاضہ ہوا کہ اگر اب تک اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام تحریروں کو شاملِ اشاعت کر دیا جائے تو محققین حضرات کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا اور ان کے لیے اس موضوع پر مزید تحقیق کرنے میں بھی آسانی ہو جائے گی۔

چناں چہ! مذکورہ کتاب کو کل پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

باب سوم میں حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبد الواحد صاحب زید مجدہ کا مضمون ''جدید معاشی مسائل اور مولانا تقی عثمانی'' سے لیا جارہا ہے۔

حضرت زید مجدہم کے مضمون کی تفصیل کچھ اس طرح ہے، کہ اولاً جب حضرت کا مضمون شائع ہوا تو مجوزین حضرات کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا، پھر ایک لمبی خط و کتابت دونوں فریقین میں چلتی رہی، بعدازاں جب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ کی کتاب ''غیر سودی بینکاری'' منظرِ عام پر آئی تو اس کا جواب لکھتے ہوئے مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہ نے اپنی اس کتاب ''ہدیہ جواب'' میں تکافل پر بھی اپنا نقطہ نظر دوبارہ فیصلہ کن انداز میں نقل فرماتے ہوئے صاف تحریر فرمادیا کہ ''مروجہ تکافل بھی اسلامی بنیادوں پر قائم نہیں ہے''، چناں چہ! ڈاکٹر صاحب کی تحریرات کو پانچ فصول میں تقسیم کر کے شامل کیا گیا ہے۔

اور بابِ چہارم میں حافظ ذوالفقار علی صاحب کا مضمون ''شرعی اور مروجہ تکافل کا تقابلی جائزہ'' شائع شدہ ماہنامہ ''محدث، شمارہ نمبر:۸، شعبان المعظم/۱۴۲۹ھ بمطابق اگست/۲۰۰۸ء'' ان کے شکریہ کے ساتھ شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔

اور بابِ پنجم میں جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کا فتویٰ جو کہ ماہنامہ بینات، شمارہ:۳/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ میں شائع ہوا، شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ

اس حقیری کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے، اور اسے امت کے لیے نافع بنائے، اور اس ناچیز کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے، آمین ثم آمین

محمد راشد ڈسکوی

رفیق شعبہ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

mrashiddaskvi@yahoo.com

۱۴/ربیع الاول،۱۴۳۴ھ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین الصطفیٰ

اما بعد!

(نوٹ: یہ پیش لفظ بندہ کے اصل مقالے سے لیا گیا ہے)

جامعہ فاروقیہ کراچی میں ''تخصص فی الفقہ الاسلامی، سال دوم'' میں متخصصین کو چار ماہی امتحان (ماہِ ربیع الاول) کے بعد بطور تمرین اساتذہ کرام کے باہمی مشورے کے بعد کسی ایک موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ سپرد کیا جاتا ہے، تاکہ تمرین فتاوی کے علاوہ کسی ایک فقہی موضوع پر اس کے مالہ وماعلیہ سامنے رکھتے ہوئے پوری طرح تفصیلی بحث بقیدِ قلم کرنے کی صلاحیت بھی پیدا ہوسکے۔

چنانچہ امسال ۱۴۳۲ھ بھی اس سلسلے میں بندہ کے ذمہ ''انشورنس کے متبادل نظامِ تکافل کا جائزہ'' پر مقالہ لکھنا تفویض ہوا، اسی موقع پر چار ماہی امتحان کے بعد ہونے والی سالانہ چھٹیوں میں ڈسکہ، ضلع سیالکوٹ میں واقع میزان بینک کے مینجر سے ملاقات کی، کہ تکافل سے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوجائیں، وہ خود کچھ بھی نہیں جانتا تھا، سوائے اس کے کہ ہم اپنی گاڑیوں کا یا دیگر اشیاء کا تکافل ''پاک قطر فیملی رجنرل تکافل'' سے کراتے ہیں، چنانچہ اس سے ڈسکہ میں ''پاک قطر فیملی رجنرل

تکافل'' کے دفتر کا ایڈریس اور نمائندے کا فون نمبر لے کر نمائندے سے وقت لیا، پھر ''پاک قطر فیملی تکافل'' کی مین برانچ میں کمپنی کے نمائندے سے تقریباً تین گھنٹے تک تفصیلی ملاقات ہوئی، جس میں کمپنی کے طریقہ کار، شرائط پورے نظام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن کمپنی کا نمائندہ کما حقہ ''انشورنس کے متبادل اسلامی نظام'' سے نہ تو خود واقف تھا اور نہ ہی مدّ مقابل کو اس بارے میں پوری طرح سمجھانے پر قادر تھا، البتہ اسے ایک بات کا سہارا تھا کہ ہمارے اس نظام کو بطورِ متبادل پیش کرنے والے ملک کے ایک بڑے مفتی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ ہیں، تو یقیناً یہ نظام ٹھیک ہی ہو گا، اور اسی بنیاد پر وہ پالیسی ہولڈرز کو تکافل پالیسی حاصل کرنے کے لئے تیار کرتا تھا، اسی نمائندے کے ذریعے ملک کے اندر کام کرنے والی تکافل کمپنیوں اور ان کے ڈائریکٹرز کے بارے میں تفصیلات حاصل ہوئیں، اس لمبی ملاقات میں تکافل سے متعلق بہت سی اہم معلومات کا حصول نہ ہو سکا، البتہ اس نمائندہ نے مجھے اپنا ای میل ایڈریس دیتے ہوئے اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ وہ حتی الوسع درپیش مسائل کا جواب اور معلومات کمپنی کے بڑوں سے حاصل کر کے دے گا، لیکن اس سلسلے میں جب اس سے دو، تین بار رابطہ کیا تو وہ ان کا جواب حاصل کر کے نہ دے سکا، لیکن اس کے علاوہ تکافل سے متعلق کچھ اہم مواد (جو انٹرنیٹ پر دستیاب تھا) اس کے ذریعہ حاصل کیا، جزاه الله أحسن الجزاء۔

اس کے بعد لاہور میں دارالافتاء والتحقیق کے رئیس جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہ سے ملاقات کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، آنے کا مدعا سامنے رکھنے پر حضرت نے تکافل پر اب تک کا کیا ہوا اپنا کام، اس پر

دار العلوم کی طرف سے دیئے جانے والے جواب، اور اس کے جواب میں حضرت ڈاکٹر صاحب کا جواب الجواب، ساری خط و کتابت کی کاپی میرے سپرد کی، اور دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ غیر جانب دارانہ طور پر محنت کرنا، باقی ''رب راکھا''۔

پھر کراچی میں چھٹیوں کے بعد اس موضوع پر اب تک مجوزین کی طرف سے آنے والا مواد حاصل کر کے اس کا بغور مطالعہ کیا، پھر اپنے مربی و مشفق مشرف حضرت مولانا مفتی سمیع اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی اجازت اور مشورے سے اپنے ساتھی مفتی عارف محمود سلمہ اللہ (رفیق شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ فاروقیہ) کی ہمراہی کراچی میں مختلف مفتیانِ کرام کی خدمت میں بغرض مشورہ، راہنمائی اور ان کے تأثرات جاننے کے حاضری دی، (مفتی عارف محمود سلمہ اللہ کے ذمہ ''کریڈٹ کارڈز کے شرعی احکام'' پر مقالہ لکھنا تفویض ہوا تھا وہ بھی اس سلسلے میں پوری تندہی سے بھاگ دوڑ کر رہے تھے)۔

چنانچہ استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی سمیع اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے حوالے سے سب سے پہلے جامعہ خلفاء راشدین، ماڑی پور کے مہتمم حضرت مولانا مفتی احمد ممتاز صاحب زید مجدہ سے وقت لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے ہمیں حکماً تقریباً چوبیس گھنٹے اپنے پاس ٹھہرایا، خوب اکرام و خاطر مدارت کی اور پھر ان سے تکافل، کریڈت کارڈز اور بہت سے دیگر مسائل فقہیہ پر تفصیلی گفتگو ہوئی، حضرت سے خوب استفادہ کرنے کے بعد وہاں سے واپسی ہوئی، حضرت کی رائے کے مطابق انشورنس اور موجودہ تکافل میں سرِ مو فرق نہیں، صرف فقہی اور اسلامی اصطلاحات کا بھرپور استعمال کیا جارہا ہے، عملی نظام میں کوئی نمایاں فرق نہیں

ہے۔

اس کے بعد جامعہ اسلامیہ کلفٹن کے شیخ الحدیث جناب حضرت مفتی حبیب اللہ صاحب کی خدمت میں وقت لے کر حاضر ہوئے، حضرت نے بھی کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہم سے اس موضوع پر تفصیلی بات چیت کی اور تکافل اور چند دیگر جدید فقہی مسائل سے متعلقہ مواد بھی فراہم کیا، جزاھم اللہ خیراً۔

پھر مفتی عارف محمود سلمہ اللہ کے ہمراہ ''جامعہ کراچی'' کے شعبہ معارف اسلامیہ کے پروفیسر و جامعہ کراچی کی ہی مسجد کے امام وخطیب، حضرت مفتی ڈاکٹر عمران الحق کلیانوی صاحب زید مجدہ سے ملاقات کا وقت لے کر ان کے پاس حاضر ہوئے، دارالعلوم کے اکثر پی ایچ ڈی کرنے والے حضرات کے مقالوں کے مشرف جناب ڈاکٹر صاحب ہی رہے ہیں، انہوں نے بھی کام کے سلسلے میں مفید مشورے دیئے، اور یہ بھی فرمایا کہ اس بارے میں جامعہ کراچی کے ''شیخ زید سنٹر'' کے پروفیسر جناب ڈاکٹر نور احمد صاحب سے مشاورت سودمند رہے گی۔

پھر جامعہ کراچی کے ''شیخ زید سنٹر'' کے پروفیسر جناب ڈاکٹر نور احمد صاحب سے وقت لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، ڈاکٹر صاحب نے بھی بھرپور مفید مشورے دیئے اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اپنا کیا ہوا کام بھی ہدیۃً دیا۔

اس کے بعد وہاں سے واپسی پر جامعہ احسن العلوم کراچی کے قدیم استاذ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب زید مجدہ کی خدمت میں اسی غرض سے حاضر ہوئے، لیکن حضرت نے اس سلسلے میں معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ جدید مسائل کے بارے میں ان کا کوئی خاص مطالعہ نہیں ہے، البتہ ان کی اس صحبت سے ہم خوب محنت کا

جذبہ لے کر لوٹے۔

پھر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے شعبہ تخصص کے نگران جناب مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی زید مجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے سامنے اب تک کی محنت کا خلاصہ، ملاقاتوں کی کارگذاری اور اپنے کام کا خُطّہ (خاکہ) پیش کیا، حضرت کے مشورے سے اس میں کچھ تبدیلی کی، پھر جناب مفتی صاحب نے حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب شہید رحمہ اللہ کے مقالہ ''شرکات التکافل اور درپیش مسائل کا جائزہ'' کی کاپی بھی دی، اور یہ بھی فرمایا کہ کام کے دوران مشکل مسائل کے حل میں ملک کے مختلف دارالافتاؤں سے فتاوی حاصل کر کے ان کی آراء بھی اپنے سامنے رکھیں۔

اس کے علاوہ لاہور کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ کے رئیس دارالافتاء جناب مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم العالیہ، جامعہ خیر المدارس ملتان کے رئیس دارالافتاء جناب مفتی عبداللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور ادارۃ الغفر ان ٹرسٹ راولپنڈی کے دارالافتاء والتحقیق کے رئیس جناب مفتی محمد رضوان صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے بھی فون پر اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو ہوئی، جناب مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا فرمانا تھا کہ یہ بعینہ انشورنس ہی ہے صرف اصطلاحات کے بدلنے سے معاملات کی حقیقت نہیں بدل جاتی، انہوں نے فرمایا کہ ان کے نظام کی بنیاد "شرط الواقف کنص الشارع" ہے، حالانکہ اس میں دیکھنے والی چیز یہ ہے کہ " شرط الواقف " بھی شریعت کے مطابق ہے یا نہیں۔

بعد ازاں جامعہ احسن العلوم کراچی میں ''مروجہ اسلامی بینکاری'' کے ایک

اجلاس میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تو وہاں جناب مفتی حمید اللہ جان صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے بالمشافہ ملاقات کے دوران اس سلسلے میں حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: کہ میں نے بھی اس موضوع پر کام شروع کر دیا ہے، اور دورہ حدیث کے طلباء میں درسِ ترمذی کے سبق میں کئی اہم نشستیں اس موضوع پر طلباء سے کر چکا ہوں، نیز اسی اجلاس میں کوئٹہ کے جناب مفتی گل حسن صاحب زید مجدہ اور جامعہ اشرفیہ سکھر کے مفتی عبد الغفار صاحب زید مجدہ سے بھی مشاورت ہوئی، تو پتہ چلا کہ جناب مفتی عبد الغفار صاحب بھی اس موضوع پر ایک ابتدائی مقالہ لکھ چکے ہیں اور مزید کا بھی عزم رکھتے ہیں، اور جامعہ احسن العلوم کے مہتمم جناب مفتی زرولی خان صاحب زید مجدہ کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ گوجرانوالہ کے مفتی عیسیٰ خان صاحب زید مجدہ بھی ان سے تکافل پر لکھنے کی خواہش کا اظہار کر چکے ہیں۔

کام کے دوران جامعہ احتشامیہ آسیہ آباد، مکران بلوچستان کے مہتمم حضرت مولانا مفتی احتشام الحق آسیا آبادی صاحب زید مجدہ، جامعہ فاروقیہ اپنے کسی کام سے تشریف لائے، حضرت سے بھی اس سلسلے میں مشاورت ہوئی، مفتی صاحب نے بھی یہ ہی فرمایا کہ ان کے ہاں بھی اس موضوع پر کام شروع ہوا ہی چاہتا ہے، چنانچہ حضرت نے بندہ کے پاس سے تکافل سے متعلقہ مواد کی کاپی لی اور کچھ مفید آراء سے بھی نوازا۔

ان طویل اور نہایت مفید ملاقاتوں کے بعد اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام کا آغاز کیا، قدم قدم پر رئیس دارالافتاء جناب حضرت مولانا محمد یوسف افشانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی حوصلہ افزائی، مفید مشورے اور ان کی شفقتیں، جناب ڈاکٹر

مولانا منظور احمد مینگل صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالباری صاحب اور مولانا مفتی احمد خان صاحب زید مجدہم کے مشورے آگے بڑھاتے رہے، اور میرے مقالے کے مشرف، استاذِ محترم، جناب مولانا مفتی سمیع اللہ صاحب زید مجدہ مسلسل لکھے گئے کام کو دیکھتے رہے اور قابلِ اصلاح مقامات کی نشاندہی کرتے رہے، جزاهم الله تعالیٰ أحسن الجزاء۔

نیز! مقالہ نویسی کے دوران تکافل، انشورنس اور التامین التکافلی (دیگر بنیادوں پر قائم تکافل) کا مواد انٹرنیٹ سے بھی حاصل کیا گیا، جس سے استفادے میں تخصص کے دیگر ساتھیوں بالخصوص مفتی امان اللہ صاحب اور مفتی مبارک علی صاحب کی معاونت حاصل رہی، اللہ رب العزت ان تمام حضرات کو اپنی شایانِ شان جزاءِ عطاء فرمائے اور ہم سب کو علمی و عملی لغزشوں سے بچاتے ہوئے صحیح نہج پر دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پوری امتِ مسلمہ کو ساری زندگی حرام سے بچتے ہوئے حلال پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

محمد راشد ڈسکوی

رفیق شعبہ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

mrashiddaskvi@yahoo.com

۱۴/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

باب اول

انشورنس کے متبادل "نظامِ تکافل" پر ایک نظر، ایک جائزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انشورنس کے متبادل ''نظامِ تکافل''
پر ایک نظر، ایک جائزہ

تمہید

چودہویں صدی ہجری میں جب دوسرے ممالک میں بحری سفر کے ذریعے تجارت کا عام معمول تھا، تو ان اسفار میں کبھی یہ جہاز بحری قزاقوں کے ہاتھوں لوٹ لیے جاتے اور کبھی سمندری طوفان کی نظر ہو کر غرق ہو جاتے تھے، جس کی بناء پر تاجروں کا لاکھوں، کروڑں کا نقصان ہو جاتا، لہٰذا بحری سفر کے اس ہونے والے نقصان سے بچاؤ کے لیے یا اس نقصان کی تلافی کے لیے'' بیمہ'' کا آغاز ہوا، چنانچہ بیمہ کا مفہوم یہ بنے گا کہ ''انسان کو مستقبل میں جو خطرات پیش آنے والے ہوں، کوئی انسان یا ادارہ ضمانت لے لے کہ فلاں قسم کے خطرات (Risks) کے نتیجے میں ہونے والے نقصان کے مالی اثرات کی میں تلافی کروں گا''۔ اس کو اردو میں ''بیمہ''، انگریزی میں ''انشورنس، Insurance'' اور عربی میں ''التأمین'' کہتے ہیں۔

بیمہ کی ابتداء

علامہ شامی رحمہ اللہ کے زمانے میں یہ معاملہ رواج پا گیا تھا کہ بعض لوگ تاجروں کا سامان سمندر کے راستے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے تو اس سامان کا کرایہ لینے

کے علاوہ کچھ مزید متعین رقم بھی لیتے تھے اور وہ اس زائد متعین رقم کے عوض اس بات کی ضمانت دیتے کہ اگر کسی تاجر کا مال ہلاک ہو گیا تو رقم لینے والا اس کی تلافی کرے گا، یہ زائد رقم جو لی جاتی تھی ،اس کو ''سوکرہ'' کہتے ہیں۔''سوکرہ'' کا مطلب بیمہ اور ضمانت (Security) کے ہیں۔یہ مذکورہ صورت بحری بیمہ(Marine insurance) کی تھی۔علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس صورت پر ناجائز ہونے کا حکم لگایا اور فرمایا:

"والذي يظهر لي أنه لا يحل للتاجر أخذ الهالك من ماله لأن هذا التزام ما لم يلزم".

(ردالمحتار، كتاب الجهاد،باب المستامن، مطلب مهم فيما يفعله التجار......: ٦/ ٢٨١، دار عالم الكتب)

ترجمہ:''میرے نزدیک تاجر کے لیے مال کی ہلاکت کی صورت میں اس کا عوض لینا حلال نہیں، کیونکہ(تاجر سے زائد رقم لے کر یہ وعدہ کرنا کہ اگر آپ کا مال ہلاک ہو گیا تو اس مال کا عوض میں آپ کو ادا کروں گا) یہ ایک ایسا التزام ہے جو شرعاً لازم نہیں ہوتا''۔

بیمہ کی بدلتی صورتیں

اس کے بعد وقت کے ساتھ ساتھ بیمہ کی کئی صورتیں وجود میں آئیں،مثلاً: عام بیمہ، آگ کا بیمہ، صحت کا بیمہ، زندگی کا بیمہ وغیرہ۔ بیمہ کی مذکورہ بالا تمام اقسام جمہور علماءِ امت کے نزدیک ناجائز ہیں،عدمِ جواز کی وجہ ان صورتوں میں سود، قمار اور غرر کا پایا جانا ہے۔ پھر اس جدید، ترقی یافتہ دور میں بیمہ کی ضرورت اور اہمیت کی وجہ سے اس کے جائز متبادل کی کوششیں شروع ہوئیں،اسی تناظر میں'' تکافل کی شرعی حیثیت'' کے کلماتِ تشکر میں

''پاک قطر فیملی تکافل کمپنی لمیٹڈ'' کے چیف ایگزیکٹو آفیسر جناب پی احمد صاحب لکھتے ہیں:

''موجودہ حالات میں انشورنس کی ضرورت مخفی نہیں، بلکہ بعض ملکوں میں لائف انشورنس کی بہت سی صورتیں ہر شہری کے لیے قانونی طور پر بھی لازمی ہیں، لیکن چونکہ انشورنس نظام میں کئی غیر شرعی عناصر تھے، جس کی وجہ سے علماءِ کرام نے ہر دور میں مسلمانوں کو اس نظام کا حصہ بننے سے منع فرمایا، ضرورت چونکہ اپنی جگہ مسلّم تھی، لہٰذا اس نظام کے جائز متبادل کی کوششیں ہوئیں، الحمد للہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے جید مفتیانِ کرام کی نگرانی میں انشورنس نظام کا جائز متبادل ''نظامِ تکافل'' وجود میں آیا''۔

(ص:11)

پاکستان میں مروج تکافل کی کمپنیاں

چنانچہ 2005ء میں پاکستان میں سب سے پہلے ''پاک کویت تکافل کمپنی لمیٹڈ'' نے کام شروع کیا،

پھر 2006ء میں ''تکافل پاکستان لمیٹڈ'' کے نام سے دوسری کمپنی شروع ہوئی،

پھر 2007ء میں ''پاک قطر فیملی / جنرل تکافل کمپنی لمیٹڈ'' شروع ہوئی،

اور ''داؤد تکافل کمپنی لمیٹڈ'' بھی پاکستان میں کام کر رہی ہے۔

نظامِ تکافل کو مختلف قسم کی بنیادوں پر استوار کیا گیا تاکہ یہ اُن خرابیوں سے پاک ہو جائے جو انشورنس میں موجود تھیں، لیکن پاکستان میں اس کی بنیاد وقف کے قواعد پر رکھی گئی ہے، اس نظام کے تفصیلی تعارف پر اب تک دو کتابیں اردو میں شائع ہو چکی ہیں: ایک مولانا مفتی اعجاز احمد صمدانی صاحب کی ''تکافل، انشورنس کا اسلامی متبادل'' اور دوسری کتاب مفتی

عصمت اللہ صاحب کی'' تکافل کی شرعی حیثیت''۔

جوں جوں اس نظام کو فروغ ملتا گیا ویسے ویسے لوگوں کی طرف سے سوالات بڑھتے گئے، چنانچہ اس نظام کو سمجھنے اور جانچنے کے لیے (کہ آیا یہ نظام واقعتاً اُن خرابیوں سے اپنا دامن بچا سکا ہے یا نہیں؟) مطالعہ شروع کیا، پھر میری اس کوشش کو مزید تقویت اس بات سے بھی ملی، جو مفتی عصمت اللہ صاحب نے اپنی کتاب'' تکافل کی شرعی حیثیت'' کے '' حرفِ مؤلف'' میں لکھی کہ:

> '' جو حل نکالا گیا ہے، اس کے بارے میں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ قرآن وحدیث کے کسی'' اصول مقررہ'' کے خلاف تو نہیں اور اس میں ایسا کوئی عنصر تو نہیں پایا جاتا، جو قرآن وحدیث سے متصادم ہو، اگر اس حل میں ایسی کوئی بات موجود نہ ہو اور وہ حل قواعدِ شرعیہ کے خلاف نہ ہو، تو وہ جائز حل ہوگا اور اس کے مطابق عمل کرنا جائز ہوگا، جسے آج کل کی زبان میں '' Shariah Complaint'' بھی کہا جاتا ہے، اس کے معنی یہی ہیں کہ یہ قرآن وسنت اور اس سے مستخرج و مستنبط، ضوابط وقواعد اور اصول کے خلاف نہیں''۔ (ص:13)

نظامِ تکافل کا انحصار

اس پورے نظامِ تکافل کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ نظامِ تکافل '' کمپنی اور شخصِ قانونی'' کے تصور کے بغیر بالکل ناقص، ادھورا اور نامکمل ہے، ان دونوں کا کردار اگر اس نظام میں نہ ہو تو مجوزین حضرات ہی کے بقول اس نظامِ تکافل سے وہ خرابیاں دور نہ ہوسکیں گی، جو انشورنس میں موجود ہیں اور جن کی بناء پر انشورنس کی حرمت کا

فتویٰ دیا جاتا ہے۔

جبکہ! کمپنی کی شرعی حیثیت، کمپنی کی محدود ذمہ داری اور شخص قانونی کے شرعاً جائز ہونے پر نہ تو فقہی نظائر تسلی بخش ہیں اور نہ ہی ان پر وقت کے جمہور اکابر علمائے کرام و مفتیانِ عظام کا اظہارِ اطمینان ہے۔ ان تصورات کو پیش کرنے والوں کو جب اس حوالے سے اشکالات اور عدمِ اطمینان کی وجوہات تحریر کر کے ارسال کی گئیں تو بھی تسلی بخش اور فقہی اعتبار سے مضبوط و مدلل جواب سامنے نہ آیا اور پھر تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان اُمور میں جو بحث اور دلائل وغیرہ قائم کئے گئے ہیں، ان کے بارے میں خود ان احباب کی طرف سے جزماً کوئی دوٹوک مؤقف اختیار کر کے قابلِ عمل قرار نہیں دیا گیا اور نہ ہی اس پر فتویٰ دیا گیا ہے، بلکہ ابھی تک مجوزین حضرات اسے ''ایک ابتدائی سوچ'' ہی قرار دیتے ہیں۔

محدود ذمہ داری کے بارے میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا عدمِ اطمینان

چنانچہ اس بارے میں جناب حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنی تازہ ترین تالیف ''غیر سودی بینکاری'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''اس مسئلے کے بارے میں بندے نے جو کچھ لکھا ہے، اُسمیں یہ بات صاف صاف لکھی ہے کہ یہ میری طرف سے کوئی حتمی فتویٰ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک سوچ ہے جو اہلِ علم کے غور کے لئے پیش کی جارہی ہے، ....
>
> جہاں تک محدود ذمہ داری کے تصور کا سوال ہے، مجھے خود پہلے بھی اُس پر جزم نہیں تھا، اور جو ابتدائی میلان ظاہر کیا تھا، اُس پر بھی نظرِ ثانی کی ضرورت سمجھتا ہوں، اور جو دلائل اُس کے خلاف

دیئے گئے ہیں، اُن میں بعض دلائل واقعۃً وزنی ہیں''(غیر سودی بینکاری،ص:۳۴۹،۳۴۳،مکتبہ معارف القرآن کراچی)

جب ایسی بات ہے کہ اس پر نہ کوئی فتویٰ دیا گیا ہے، نہ اس کے بارے میں ابھی تک کوئی حتمی رائے قائم کی گئی ہے، اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کے خلاف قائم کئے گئے دلائل بھی وزنی ہیں، تو پھر اس اس قدر کمزور بنیاد پر پوری عمارت کھڑی کر دینا، اور اس پر اسلامی اور صحیح متبادل ہونے کا عنوان چسپاں کر دینا، اور اسی پر بس نہیں، بلکہ اس کی بھرپور تشہیر کرنا، اور اس کی دعوت عام کرنا، اور زیادہ معنی خیز ہے، شخص قانونی اور محدود ذمہ داری کی خرابیوں اور کمزوریوں پر تفصیلی کلام جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن سے شائع ہونے والی کتاب ''مروجہ اسلامی بینکاری'' اور جامعۃ خلفائے راشدین، کراچی کے مفتی احمد ممتاز صاحب زید مجدہ کی جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ کی کتاب ''غیر سودی بینکاری'' کے جواب میں لکھی گئی کتاب ''غیر سودی بینکاری، ایک منصفانہ علمی جائزہ'' اور جناب ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب زید مجدہ کی کتاب ''جدید معاشی مسائل اور حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے دلائل کا جائزہ'' اور جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب ''غیر سودی بینکاری'' کے جواب میں لکھی گئی کتاب ''ہدیہ جواب'' میں کیا گیا ہے، فلیراجع۔

اس موضوع پر مطالعہ کرنے کے بعد یقین ہوا کہ تکافل کا مروجہ طریقہ کار بھی ان خرابیوں سے اپنا دامن نہیں بچا سکا ہے، جو انشورنس میں پائی جاتی ہیں۔

چند تمہیدی باتیں

ذیل میں چند باتیں بطورِ تمہید ذکر کرنے کے بعد اس نظام کی کمزوریاں تفصیل سے ذکر کی جائیں گی:

پہلی بات: نظام میں چند افراد مل کر ایک کمپنی قائم کرتے ہیں، پھر نقود کی کچھ

مقدار وقف کر کے وقف فنڈ قائم کرتے ہیں، چنانچہ تکافل پالیسی اختیار کرنے والے ہر قسم کے تکافل کے اعتبار سے ماہانہ فیس جمع کرواتے ہیں، جس کا ایک حصہ وقف فنڈ میں ڈال دیا جاتا ہے، اور ایک حصہ تجارت میں لگایا جاتا ہے، وقف فنڈ میں ڈالا جانے والا حصہ اس پالیسی ہولڈر کی ملکیت سے نکل کر وقف فنڈ کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے، دوسری طرف فنڈ قائم کرنے والے فنڈ کے مصارف (یعنی: موقوف علیہم) کے لئے شرائط نامہ مرتب کرتے ہیں کہ پالیسی ہولڈر جب فنڈ کو اتنا...... چندہ دے گا تو بوقتِ ضرورت اُس کی اس فنڈ سے اتنی مقدار...... میں مدد کی جائے گی، اور جب اِتنی مقدار...... میں چندہ دے گا تو اُس کی اس فنڈ سے اتنی ...... مدد کی جائے گی۔

دوسری بات: تکافل پالیسی اختیار کرنے والے افراد غریب نہیں بلکہ امیر تر ہوتے ہیں (ماہانہ قسطیں ادا کرنا عام افراد کے بس کی بات نہیں ہوتی)۔

تیسری بات: ابتداءً وقف فنڈ قائم کرنے والے خود اپنا بھی تکافل کرواتے ہیں اور اپنی ہی وضع کردہ شرائطِ وقف کے تحت خود بھی مالِ موقوفہ کے فوائد سے منتفع ہوتے ہیں۔

نظامِ تکافل کا ڈھانچہ

نظامِ تکافل کی بنیادوں میں یہ بات درج ہے:

"تُنشئی شركة التأمين الإسلامي صندوقاً للوقف و تعزل جزءاً معلوماً من رأس مالها يكون وقفاً على المتضررين من المشتركين في الصندوق حسب لوائح الصندوق وعلى الجهات الخيرية في النهاية".

(تأصيل التأمين التكافلي على أساس الوقف، للشيخ المفتي تقي العثماني، ص: ١١-٢٠، غير مطبوعة)

عبارات ہذا سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

(1)۔واقفین خود کمپنی مالکان ہوتے ہیں۔

(2)۔موقوف علیہم (جن کے لیے وقف قائم کیا جا رہا ہے) اس وقف فنڈ کو چندہ دینے والے متضررین (یعنی وہ افراد جو مخصوص حادثات یا نقصان کا شکار ہوئے ہوں) ہوتے ہیں نہ کہ ہر خاص و عام۔

(3)۔وقف تحلیل (بے کار، ختم یا دیوالیہ) ہونے کی صورت میں مالِ موقوفہ ختم نہ ہونے والی جہات خیریہ میں خرچ کیا جائے گا۔

نیز! یہ بات یاد رہے کہ تکافل کروانے میں خود کمپنی مالکان بھی داخل ہوتے ہیں، اور دیگر شرکاء تکافل بھی اغنیاء ہی ہوتے ہیں۔

پہلی خرابی:

مذکورہ تفصیل کے بعد جاننا چاہیئے کہ

شرعاً نقود وقف کرنے والے خود اپنی وقف کردہ منقولی شئے (نقود) سے منتفع نہیں ہو سکتے، اس کی کوئی نظیر شریعت میں نہیں ملتی۔

اس بارے میں مجوزین حضرات جو نظائر پیش کرتے ہیں وہ سب غیر منقولی اشیاء کے وقف سے خود واقف کے منتفع ہونے کی ہیں، نہ کہ منقولی اشیاء کے وقف سے منتفع ہونے کی۔ (ملاحظہ ہو: تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۴۸-۵۰)

اور دوسری طرف منقولی اشیاء کے وقف سے فائدہ اُٹھانے کی جتنی مثالیں ہیں وہ خلافِ قیاس نص سے ثابت ہیں، چنانچہ ان پر قیاس کرتے ہوئے دیگر منقولی اشیاء سے واقف کا خود نفع اٹھانا ٹھیک نہیں۔

گویا اس صورت میں یہ واقف خود اپنے اوپر نقود وقف کرنے والا ہے جس کو

دوسرے الفاظ میں وقف علی النفس بھی کہہ سکتے ہیں جو کہ نقود میں شرعاً متصور نہیں۔

(لا يجوز وقف ما ينقل و يحول) وقال محمد رحمه الله حبس الكراع والسلاح و معناه وقفه في سبيل الله و أبو يوسف رحمه الله معه فيه على ماقالوا ، وهو استحسان ، و القياس أن لا يجوز ؛ لما بيناه من قبل (من شرط التأبيد والمنقول لا يتأبد) وجه الاستحسان الآثار المشهورة فيه (أي: في الكراع والسلاح) وعن محمد رحمه الله : أنه يجوز وقف ما فيه تعامل من المنقولات كالفأس والمر والقدوم والمنشار والجنازة و ثيابها و القدور والمراجل والمصاحف . وعند أبي يوسف لا يجوز ؛ لأن القياس إنما يترك بالنص ، والنص ورد في الكراع والسلاح ، فيقتصر عليه ، ومحمد يقول: القياس قد يترك بالتعامل كما في الاستصناع ، وقد وجد التعامل في هذه الأشياء.

(الهداية، كتاب الوقف : ٤/ ٤٠٠، مكتبة البشرى)

ولا يجوز وقف ما ينقل و يحول لأنه لا يبقى على التأبيد فلا يصح وقفه ....قال في الواقعات: "إذا وقف ثوراً على أهل قرية للإنزاء على بقرهم ، لا يصح؛ لأن وقف المنقول لا يصح إلا فيما فيه تعارف" ولا تعارف في هذا".

(الجوهرة النيرة، كتاب الوقف : ٢ / ٢٣، مكتبه حقانيه ، ملتان)

"ثم إذا عرف جواز الفرس والجمل في سبيل الله، فلو وقف على أن يمسكه مادام حياً، إن أمسكه للجهاد جاز له ذلك، لأنه لو لم يشترط كان له ذلك لأن جاعلي فرس السبيل أن يجاهد عليه، وإن أراد أن ينتفع به في غير ذلك لم يكن له ذلك وصح جعله للسبيل، يعني: يبطل الشرط ويصح وقفه"

(فتح القدير، كتاب الوقف: ٦/ ٢٠٤، دار الكتب العلمية، بيروت)

اس آخری جزیئے میں علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''پھر جب گھوڑے اور اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کرنے کا جواز معلوم ہوا تو اگر کسی نے اس شرط کے ساتھ گھوڑے کو وقف کیا کہ وہ اپنی زندگی بھر اس کو اپنے پاس رکھے گا (تو اس میں دو صورتیں ہیں)

ایک: اگر اس پر خود جہاد کرنے کے لیے اس کو اپنے پاس رکھا تو یہ اس کے لیے جائز ہے، کیونکہ اگر وہ یہ شرط نہ بھی لگائے تب بھی اس کو حق حاصل ہے کہ خود اس پر جہاد کرے۔

دوم: اور اگر وقف کرنے والے کی مراد یہ ہے کہ وہ گھوڑے کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرے تو یہ اس کے لیے جائز نہیں اور اس کا وقف تو صحیح ہوگا لیکن شرط باطل اور کالعدم ہوگی''۔

اس جزئیہ سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ منقولی اشیاء میں وقف اسی وقت جائز ہوگا جب وہ وجوہ خیر یا فقراء کے لیے وقف ہو، وقف علی النفس کے بعد نہ ہو اور اگر وقف علی النفس کرلیا تو وقف تو ہوجائے گا لیکن ''علی النفس'' نہ ہوگا۔

نیز! نظامِ تکافل میں موقوف علیہم (پالیسی ہولڈرز) اغنیاء ہوتے ہیں (کیونکہ غرباء تو تکافل کروانے اور اس کی فیسیں بھرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے) یہ چیز اصلِ وقف کے خلاف ہے، کیونکہ وقف کا مقصودِ اصلی ہر عام وخاص کا اس سے منتفع ہونا ہے، جبکہ تکافل کے تحت قائم کئے جانے والے وقف فنڈ سے منتفع ہونے والے صرف اور صرف اغنیاء ہوتے ہیں۔

اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقف فنڈ کی انتہاء (بصورتِ تحلیلِ وقف) فقراء پر خرچ کرنا ہے، اس کی صورت ان کے مطبوع مواد میں یہ بتائی گئی ہے کہ

''اگر کبھی یہ فنڈ تحلیل ہوگیا تو اس کا مصرف فقراء ہوں گے''۔

بالفاظِ دیگر ''وقف فنڈ قائم کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ ایک خاص مدت تک [مثلاً: پچاس، ساٹھ، ستر، اسّی سال] اس وقف فنڈ کا مصرف اغنیاء ہوں گے اور وقف فنڈ کے تحلیل ہونے کی ''احتمالی'' صورت میں اس کا مصرف فقراء ہوں گے''۔

(احتمالی اس لئے کہا گیا کہ اس وقف فنڈ کو تحلیل ہونے سے بچانے کے لئے کمپنی اس وقف فنڈ کو قرضہ حسنہ دیتی ہے، اور ایسا اس لئے کرنا پڑتا ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پالیسی ہولڈر کسی صورت میں اس بات کے لئے تیار نہ ہوگا کہ بوقت ضرورت اس کی مدد نہ کی جائے، اُن (پالیسی ہولڈرز) کو وقف کی شرعی قیودات اور شرائط سے کوئی غرض نہیں اُن کو تو صرف اس سے غرض ہوتی ہے کہ اُن کے نقصان کی تلافی کی جائے، چنانچہ اگر کمپنی وقف فنڈ کو قرضہ حسنہ نہ دے تو اس صورت میں ان کا سارا نظام ہی ٹھپ ہوجائے گا)۔

دوسری خرابی:

انشورنس عقدِ معاوضہ ہونے کی وجہ سے ربا، قمار اور غرر جیسے مہلک گناہوں کا مجموعہ تھا، تکافل کو انشورنس کی طرح ربا، قمار اور غرر سے پاک کرنے کے لئے وقف کا ماڈل اختیار کیا گیا اور وقف کو شخص قانونی قرار دیتے ہوئے اور نظام تکافل میں عقدِ معاوضہ کی نفی کرتے ہوئے یوں کہا گیا کہ

''عقدِ معاوضہ اُس وقت ہوتا جب کمپنی کے مالکان کو چندہ دیا جاتا (اور) وہ اِس کے مالک بنتے اور پھر پالیسی ہولڈروں کے نقصان کی تلافی کرتے''۔

(تکافل، انشورنس کا اسلامی طریقہ،ص:۱۵۰،ادارۃ اسلامیات، لاہور)

اسی طرح ''تأصیل التأمین التکافلی علی أساس الوقف'' میں لکھا ہوا ہے:

"هذه التكييف إنما يصحّ إذا كانت هذه المحفظة لها شخصيةٌ معنويةٌ معتبرة شرعاً قانوناً، فيصح منها التملك و التمليك" (تأصيل التأمين التكافلي على أساس الوقف،ص:١١)

خلاصہ کلام:

انشورنس عقدِ معاوضہ تھا، جسکی وجہ سے ربا، قمار اور غرر سب خرابیاں تھی اور اب (بقول مجوزین) تکافل میں وقف ماڈل کی وجہ سے عقد معاوضہ نہ رہا، کیونکہ یہاں کمپنی کے مالکان چندوں کے مالک نہیں بنتے بلکہ فنڈ (شخص قانونی) اِس کا مالک بنتا ہے۔

قابلِ غور امور :

الف: شخصِ قانونی کو شرعی بنیادوں پر تسلیم کرنے والے حضرات فقہی اعتبار سے جملہ پیچیدہ مسائل کا حل شخصِ قانونی کے ذریعے کر لیتے ہیں، چنانچہ درپیش مسئلہ میں بھی ایسا ہی ہوا، لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ اِنہی حضرات کے بقول ''شخصِ قانونی'' بھی زندہ انسانوں کی طرح مالک بننے اور مالک بنانے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے، چنانچہ اِسی بنا پر اِس کو بہت سے معاملات میں عقد کا ایک فریق بھی بنایا جاتا ہے، جیسا کہ تکافل میں بھی وقف فنڈ (شخصِ قانونی) کو رب المال بنایا جاتا ہے، بلکہ اب تو عقد کے دونوں فریقوں کی جگہ شخصِ قانونی نے ہی لے لی ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

تو پھر اس جگہ (نظامِ تکافل میں) جب پالیسی ہولڈر وقف فنڈ کو چندہ دے کر موقوف علیہم میں داخل ہو جاتا ہے تو اِس سے چندے کا مالک بننے والا وقف فنڈ (جو کہ شخصِ قانونی ہے) کہتا ہے کہ اگر تم مجھے اتنا چندہ دوگے تو بوقتِ ضرورت میں تمہاری اِتنی مدد کروں گا اور اگر تم مجھے اِتنا چندہ دوگے تو میں تمہاری اتنی مدد کروں گا، تو دیکھ لیا جائے کہ یہ معاملہ عقدِ معاوضہ ہونے سے کیسے خارج ہوا ؟! تعجب ہے ایسے شخصِ قانونی پر جو دیگر تمام کام ایک زندہ انسان کی طرح انجام دیتا ہے اور صرف عقدِ معاوضہ کے مسئلے میں مردہ بن جاتا ہے؟!

ب: اِس جگہ مجوزین حضرات یہ تاویل کرتے ہیں کہ:

> ''چندہ دہندہ کو نقصان کی تلافی کا فائدہ اُس کی کسی شرط کی وجہ سے نہیں مل رہا، بلکہ وہ تو فنڈ کو چندہ دے کر اُس کا رُکن بن گیا ہے، اب اُس کو یہ فائدہ واقفین کی شرط کی وجہ سے منجملہ موقوف علیہم میں شامل ہونے پر مل رہا ہے، جو کہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے عطاءِ

مستقل ہے''۔(تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ،ص:۱۴۹،ادارہ اسلامیات،لاہور)

یعنی!وہ(پالیسی ہولڈر)یہ نہیں کہتا کہ چونکہ میں نے وقف کو اتنا چندہ دیا ہے، اس لئے میں اِن فوائد کا حق رکھتا ہوں بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ اِن قواعد کی بنیاد پر مجھے یہ فوائد حاصل ہونے چاہئے ، یہ قانونی حق اِس کو عقدِ معاوضہ میں داخل نہیں کرتا............مگر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ پالیسی ہولڈرز کو قواعد وضوابط کے تحت دعوی کرنے کا حق کس نے دیا؟! اُسے وقف فنڈ سے اپنے نقصان کی تلافی کروانے کا قانونی حق بھی تو تکافل فنڈ کو دی جانے والی رقم کی وجہ سے ہی حاصل ہوا ہے،اب مجوزین حضرات اس قانون کی وجہ سے ملنے والی رقم کو قواعد وضوابط کا نام دیں یا پریمیم کی کمی بیشی کا،اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ج : نیز!تکافل کو عقدِ تبرع قرار دے کر غرر کی نفی کی گئی ہے،چنانچہ!لکھا ہے کہ:

> ''لیکن اسلامی تکافل کے اندر اس غیر یقینی کیفیت سے عقد ناجائز نہیں ہوتا کیونکہ اِس کی بنیاد''عقد تبرع'' پر ہے،اور تبرعات کے اندر غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) کا پایا جانا ممنوع نہیں جبکہ عقد معاوضہ کے اندر ممنوع ہے''۔(تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ،ص:۱۲۲،ادارہ اسلامیات،لاہور)

تو اس جگہ سوال یہ ہے کہ شخص قانونی (وقف فنڈ) کو چندہ دینے والا کبھی تبرع کرنے کے لئے چندہ نہیں دیتا،کمپنی والے چاہے اِس کو جو کچھ بھی کہتے رہیں،اُن کی بَلا سے!اُسے تو اپنے نقصان کی تلافی اور نفع سے غرض ہوتی ہے،چاہے کسی طریقے سے ہو۔بلکہ اگر اسے یہ بات بتا دی جائے کہ''عین ممکن ہے کہ وقف فنڈ چندہ نہ ہونے کی صورت میں تلافی نہیں کر سکے گا،یا کسی وقت فنڈ تحلیل ہوگیا تو بھی اس کے نقصان کی تلافی

نہیں کی جاسکے گی''۔

جیسا کہ ''تکافل کی شرعی حیثیت'' میں لکھا کہ:

''اگر فنڈ تحلیل ہوگیا تو تمام کلیمز (Claims) ادا (Pay) کرنے کے بعد سرپلس، چندے اور واجب الوصول رقوم خیراتی مقاصد میں خرچ ہوں گی، جس میں شریعہ بورڈ سے مشاورت ضروری ہوگی، جہاں تک وقف رقم ہے، تو وہ ایسے مقصد میں دی جائے گی، جو ختم ہونے والا نہ ہو، شیئر ہولڈرز ان رقوم میں سے کسی رقم کے مستحق نہیں ہوں گے، تحلیل کے وقت آپریٹر متعلقہ اخراجات وصول کرسکتا ہے''۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص: ۱۱۰، ادارۃ المعارف، کراچی)

تو وہ ہرگز پالیسی لینے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ (تو اُس وقت اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا کہ پالیسی ہولڈر وقف وغیرہ کو فنڈ دینے سے کوئی غرض نہیں رکھتا، اُس کی تو اپنی اغراض ہیں)۔

بلکہ اِس سے بھی آگے بڑھ کر اُس کو تو یقین دہانی کروائی جاتی ہے کہ وہ اپنے نقصان کی تلافی کے لئے باقاعدہ قانونی حق رکھتا ہے (چاہے مجوزین حضرات اس کی کوئی تأویل کرتے رہیں) اور اس کے لئے (کہ ہر حال میں پالیسی ہولڈر کے نقصان کی تلافی کرنی ہے) کمپنی نے اپنے وضع کردہ نظام میں باقاعدہ یہ شق رکھی ہے کہ ''وقف فنڈ خالی ہونے کی صورت میں کمپنی اِس فنڈ کو قرضہ حسنہ دے گی'' (تا کہ پالیسی ہولڈرز کے نقصان کی تلافی ہر حال میں کی جاسکے)۔ جیسا کہ ''تکافل کی شرعی حیثیت'' میں آپریٹر کی ذمہ داریاں (Obligations) کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

''فنڈ میں کمی کی صورت میں آپریٹر فنڈ کو قرضِ حسنہ دے گا''۔

اور اس سے کچھ ہی آگے

'فنڈ (PTF) کی آمدنی اور اخراجات (Income,Outgo)''

کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:''پول کے فنڈ میں خسارے (Deficit) کی صورت میں وکیل سے حاصل شدہ قرضِ حسنہ''۔(ص:۱۱۰،۱۱۱)

چنانچہ دیکھ لیا جائے کہ چندہ دینے والا کس بنیاد پر چندہ دے رہا ہے اور چندہ لینے والا (شخصِ قانونی) مشروط طور پر چندہ وصول کر کے نقصان کی صورت میں نقصان کی تلافی کرتا ہے اور باقاعدہ دیئے گئے چندے کی بنیاد پر تلافی کرتا ہے، تو کیا یہ معاملہ عقد معاوضہ سے نکل جائے گا؟!

چنانچہ! چندہ اور نقصان کی صورت میں نقصان کی کمی بیشی ''ربا'' بنی۔ اور تلافی کے غیر یقینی ہونے کی بنا پر یہ معاملہ ''قمار'' بنا۔

۵: نیز! پالیسی ہولڈر چندہ دیتے وقت اصالۃً اِس شرط پر چندہ دیتا ہے کہ اُس کو کوئی سانحہ پیش آئے گا تو وقف فنڈ اُس کا نقصان پورا کرے گا اور چونکہ اُس کو نقصان پہنچنا یقینی نہیں بلکہ موہوم ہے تو موہوم نقصان کی تلافی کی شرط سے وقف فنڈ کو چندہ دینا شرطِ فاسد ہے۔

اِس جگہ اگر کوئی کہے کہ ''ہبہ اور ہدیہ وغیرہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود شرطِ فاسد ہو جاتی ہے اور ہبہ درست ہو جاتا ہے، اور پالیسی ہولڈر اِس چندہ دینے کی بنیاد پر اپنے نقصان کی تلافی کا مطالبہ نہیں کر سکتا بلکہ اِس کے نقصان کی تلافی تو قواعدِ وقف کی وجہ

سے کی جاتی ہے جو کہ ایک دوسرا مستقل معاملہ ہے''۔

تو اِس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اتنی بات تو ٹھیک ہے، لیکن اس تلافی کی بنیاد پر چندہ جمع کروانے کے بعد جب نقصان کی تلافی کروالی جائے تو سارا معاملہ ایک بن کے فاسد ہو جائے گا، مثلاً: زید نے بکر کو اِس شرط پر پچاس تولے سونا قرض دیا کہ واپسی پر پچپن تولہ واپس لے گا، اب بوقتِ واپسی زید نے اگر پچاس تولہ سونا ہی لے لیا تو پہلی تقدیر کے مطابق اتنا معاملہ تو ٹھیک ہو جائے گا اور شرط فاسد ہو جائے گی، لیکن اگر بکر نے پچپن تولے دیئے اور زید نے لے لئے تو یہ سارا معاملہ ایک بن کے فاسد ہو جائے گا، اور سود کہلائے گا، یہاں کوئی بھی نہیں کہے گا کہ ''چونکہ پچاس تولہ دینے کا معاملہ درست تھا اور شرط فاسد ہو چکی تھی اِس لئے واپسی پر جو پانچ تولے زائد دیا گیا وہ اِس شرط کے تحت داخل ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک نیا ہبہ ہے''۔

دوسری بات یہ امر تو اس وقت تسلیم کیا جائے گا جب اس کو ہبہ اور صدقہ تسلیم کیا جائے، اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق تو یہ عقدِ معاوضہ ہے، نہ کہ ہبہ وصدقہ۔ اس لیے کہ ہبہ اور صدقہ کا بلاعوض ہونا شرط ہے، بصورتِ دیگر یہ مطلقاً ہبہ نہیں بلکہ ہبہ بشرطِ العوض ہوگا جو کہ حکماً بیع ہوتا ہے اور اس پر بیع والے تمام احکامات لاگو ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام!

یہ کہ تکافل کے تحت ہونے ولا یہ معاملہ پالیسی ہولڈر اور وقف فنڈ کے درمیان عقدِ معاوضہ کی حیثیت رکھتا ہے جو کہ سود اور قمار پر مشتمل ہے۔

۵: نیز! اسے برادریوں کے درمیان بنائے جانے والے باہمی امدادی فنڈوں کے مشابہہ قرار دیا جاتا ہے، جیسا کہ ''تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ'' میں لکھا ہے کہ:

''اسے ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں، یہ ایسا ہے جیسا کہ عام

طور پر مختلف برادریوں میں اس طرح فنڈز بنائے جاتے ہیں، لہذا
اس کو عقد، معاوضہ کہنا درست نہیں''۔(ص:۱۵۰)

حالانکہ تکافل اور برادریوں کے امدادی فنڈوں کے درمیان کھلا تضاد اور فرق ہے، ملاحظہ ہو:

(1) برادریوں کے امدادی فنڈ سے استفادہ کرنے والے محض اغنیاء نہیں ہوتے بلکہ حادثات کا شکار ہونیوالی برادریوں کے تمام افراد اِن فنڈوں سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

(2) برادریوں میں مبتلی بہ افراد کی امداد ان کے جمع کروائے گئے چندوں کی بنیاد پر نہیں ہوتی کہ جو کم چندہ جمع کرواتا ہے اُس کی کم امداد کی جاتی ہے، اور جو زیادہ چندہ جمع کرواتا ہے تو اسکی زیادہ امداد کی جاتی ہے جیسا کہ تکافل میں ہوتا ہے۔

(3) برادریوں میں قائم کئے جانے والے فنڈز کا قیام باہمی اخوت کی بنیاد پر ہوتا ہے، فنڈز سنبھالنے والوں کا اس سے کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں ہوتا، جبکہ تکافل پالیسیاں تو وجود میں آتی ہی اسی لئے ہیں کہ ذاتی مقاصد حاصل کیے جاسکیں، جیسا کہ تکافل کمپنیوں کے متولی اور ڈائریکٹرز پہلے فنڈ بناتے ہیں پھر پالیسیاں شروع کرتے ہیں چنانچہ ڈائریکٹرز مضارب بن کر یا وکیل بن کر باقاعدہ نفع کماتے ہیں۔

دوسری بات: برادریوں کے فنڈز کا جواز بھی بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے، اگر وہ نہ پائی جائیں تو وہ بھی جائز نہ ہوگا، چنانچہ ایک امرِ منصوص علیہ سے محض قدرے تشبیہ کی وجہ سے دوسرے کو بالکلیہ جائز قرار دے دی اجائے۔

(4) برادریوں کے امدادی فنڈ میں تمام ارکان باہمی امداد اور ایک دوسرے کی بھلائی و خیر خواہی کو مدِّ نظر رکھ کے چندہ جمع کرواتے ہیں (نتیجۃً یہ فنڈز صرف حادثات کے شکار افراد میں تقسیم ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے نہ حقیقۃً اور نہ ہی خارج میں عقدِ معاوضہ کی شکل وجود میں آتی ہے اور نہ ہی چندہ دیتے وقت چندہ دینے والوں کو اس کا خیال آتا ہے)

جبکہ تکافل میں حصہ لینے والے کو اِس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ کسی دوسرے کو کچھ مل رہا ہے یا نہیں، بلکہ اُس کو تو اپنے جمع کروائے گئے مال سے زیادہ ملنا چاہیے اور بس !!۔

تیسری خرابی:

نظام تکافل میں اوّلاً کمپنی قائم کی جاتی ہے (جو شخص قانونی ہے) پھر ڈائریکٹرز کچھ مال وقف کر کے وقف فنڈ قائم کرتے ہیں اور واقفین ہونے کے اعتبار سے وقف کے قوانین متعین کرتے ہیں (یہ وقف فنڈ بھی شخصِ قانونی ہے) پھر کمپنی پالیسی ہولڈرز کا مال (جو تجارت میں لگانے کے لیے الگ کرلیا جاتا ہے) اور اسی طرح وقف فنڈ کا فنڈ مضاربت میں استعمال کرتی ہے، چنانچہ وقف فنڈ ''رب المال'' ہوا، اور کمپنی ''مضارب''، اس کے ساتھ ساتھ کمپنی وقف فنڈ کی دیکھ بھال بھی کرتی ہے بلکہ جملہ معاملات سنبھالتی ہے تو یہ ''متولی'' بھی ہوئی۔ مطلب: ''رب المال'' بھی شخصِ قانونی، ''مضارب'' بھی شخصِ قانونی اور ''متولی'' بھی شخصِ قانونی۔ (ملخص از تکافل کی شرعی حیثیت، ص: ۷۸، ۷۹، ادارۃ المعارف)

اب خارج میں دیکھیں تو اِن قانونی اشخاص کو وجود دینے والے حقیقی افراد ہی کے ذریعے یہ فرضی اشخاص کام کرتے ہیں اور تمام منافع انہی (حقیقی افراد) کی تجوریوں میں جمع ہوتے ہیں تو حقیقت میں جو ڈائریکٹرز (حقیقی اشخاص) موجود ہیں، جنہوں نے یہ سارا نظام چلایا تو ہر قسم کے حقوق انہی کی طرف لوٹنے چاہئیں، نتیجتاً انہی حقیقی افراد پر رب المال اور مضارب ہونے کی نسبت صادق آئیگی۔

مزید وضاحت کے لئے سمجھیں کہ

مجوزین حضرات کے بقول ''وقف فنڈ'' شخصِ قانونی ہے اور ''کمپنی'' بھی شخصِ

قانونی ہے جوفرضی، معنوی، اعتباری، بے جان، گونگا اور بہرا (یعنی: غیر محسوس) ہوتا ہے، اس کی طرف حقوق اور ذمہ داریاں لوٹتی ہیں البتہ ان حقوق اور ذمہ داریوں کی ادائیگی اور معاملات وغیرہ طے کرنے کے لئے ان کو حقیقی اشخاص کی احتیاج ہوتی ہے، تو جو شخص ان ذمہ داریوں وغیرہ کو ادا کرتا ہے اسے ''متولی'' کہتے ہیں، چنانچہ خارج میں یعنی حقیقی اعتبار سے کمپنی جو خود بھی شخصِ قانونی ہے وہ دوسرے شخصِ قانونی یعنی ''وقف فنڈ'' کی متولی نہیں بن سکتی بلکہ ان دونوں کے متولی ڈائریکٹرز بنیں گے جو اشخاص حقیقی ہیں، کیونکہ عقد کے کرنے والے کا ذوی العقول میں سے ہونا شرط ہے، ملاحظہ ہو:

شرائط الانعقاد فأنواع..........أما الذي يرجع إلى العاقد، فنوعان أحدهما: أن يكون عاقلاً، فلا ينعقد بيع المجنون والصبي الذي لا يعقل، لأن أهلية المتصرف شرط انعقاد التصرف، والأهلية لا يثبت بدون العقل، فلا يثبت الانعقاد بدونه؛................والثاني: العدد في العاقد، فلا يصلح الواحد عاقداً من الجانبين في باب البيع إلا الأب.

(بدائع الصنائع، كتاب البيوع، فصل في شروط الركن: ٥/ ٥٣٣، ٥٣٧، دار الكتب العلميه)

(وكذا في حاشية ابن عابدين، كتاب البيوع، مطلب شرائط البيع: ٧/ ١٣، دار المعرفة بيروت)

"ويشترط في العاقدين كونهما عاقلين، يعرفان النفع والضرر و يباشران العقد على بصيرة و تثبت"۔

(حجة الله البالغة، من أبواب ابتغاء الرزق: ۲/۱۹۱،

دار الكتب العلمية)

ان عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ عاقدین (معاملہ کرنے والوں) کا عاقل، نفع و نقصان کو جاننے والا اور صاحب بصیرت ہونا ضروری ہے۔

اور ظاہر ہے کہ شخصِ حقیقی میں ان صفات کا پایا جانا ناممکن ہے، جس کی بناء پر تمام معاملات حقیقت میں ڈائریکٹرز ہی سرانجام دیتے ہیں، چنانچہ وہ ڈائریکٹرز جب ایک شخصِ قانونی کو ''رب المال'' اور دوسرے شخصِ قانونی کو ''مضارب'' بناتے ہیں (اس حال میں کہ ان دونوں کے متولی وہ خود ہوتے ہیں) تو نفس الامر میں وہ خود ہی عقد کے دونوں پہلو ''رب المال اور مضارب'' بنتے ہیں، اس لئے کہ ڈائریکٹر حضرات ہی کمپنی اور وقف فنڈ دونوں کی نمائندگی کرتے ہیں، گویا وہ یوں کہتے ہیں کہ (وقف فنڈ کی طرف سے) ہم مال، مضاربت کے لئے دیتے ہیں اور (کمپنی کی طرف سے) ہم مال، مضاربت کے لئے وصول کرتے ہیں، نتیجتاً ایک ہی فرد (حقیقی) خود ہی رب المال ٹھہرا اور خود ہی مضارب، جس کا شریعت میں کوئی تصور نہیں ہے۔

نیز اس صورت میں ایک اور خرابی اور فساد کا قوی اندیشہ ہے کہ ڈائریکٹران جو بھی دھوکہ، فراڈ یا غبن کرنا چاہیں وہ اس میں خود مختار ہیں، نہ ہی کسی کو معلوم ہو اور نہ ہی کوئی پوچھنے والا ہو۔

چوتھی خرابی:

جس طرح کوئی بھی پالیسی ہولڈر اپنا کسی بھی قسم کا تکافل کرواتا ہے اسی طرح ہر تکافل کمپنی کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنا تکافل کروائے، جس کو ''ری تکافل'' (Re-Takaful) کہا جاتا ہے، یہ ہر کمپنی کے لئے قانوناً لازمی ہے، ایسا ممکن نہیں ہے

کہ کوئی کمپنی اپنا تکافل نہ کروائے ،ری تکافل کمپنیوں کی اہمیت اور ضرورت کے بارے میں مجوزین حضرات کا ہی ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

'' ہر انشورنس کمپنی اپنے خطرات کا کچھ حصہ دوسری انشورنس کمپنی کے پاس انشور کرواتی ہے، مثلاً: اسّی فیصد اپنے پاس رکھ کر بیس فیصد حصہ کی انشورنس دوسری کمپنی کے پاس کرواتی ہے، اس کے نتیجے میں کسی پالیسی ہولڈر کو خطرہ پیش آنے کی صورت میں اس کو ادا کی جانے والی رقم کا اسّی فیصد حصہ انشورنس کمپنی خود برداشت کرتی ہے اور بیس فیصد حصہ ری انشورنس کمپنی برداشت کرتی ہے، پریمیم کی مقدار مناسب رکھنے اور خطرات کو پھیلا کر نقصان کی تلافی کو یقینی بنانے کے لئے ری انشورنس، انشورنس کا جزء لازم سمجھا جاتا ہے اور قانوناً بھی لازم ہے، اس کے بغیر لائسنس جاری نہیں ہوتا، تکافل کمپنی بھی اس ضرورت اور قانون سے بالاتر نہیں ہے، البتہ تکافل کمپنی ،ری تکافل کروانے کی صورت میں گویا اپنے پاس جمع ہونے والے فنڈ کو ایک دوسرے تکافل کا حصہ بنائے گی اور یوں دو تکافل وجود میں آئیں گے: (۱) ایک افراد کے درمیان اور (۲) دوسرا تکافل کمپنی اور ری تکافل کمپنی کے درمیان''۔(تکافل کی شرعی حیثیت،ص:۱۱۴)

پھر آگے چلتے ہوئے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ:

'' جو اصول تکافل کے لئے درکار ہیں وہی اصول ری تکافل کو بھی چلاتے ہیں''۔(تکافل کی شرعی حیثیت،ص:۱۱۵)

نیز ایک اور جگہ لکھا ہے کہ:

''جس طرح تکافل کے دو ماڈل ہیں: وقف ماڈل اور تبرع ماڈل اسی طرح ری تکافل بھی وقف کی بنیاد پر بھی ہوسکتی ہے اور تبرع کی بنیاد پر بھی ہوسکتی ہے، تاہم عالمی سطح پر تبرع کی بنیاد پر تکافل کا کام پہلے شروع ہوا ہے، اس لئے تبرع کی بنیاد پر کام کرنے والی ری تکافل کمپنیاں تو وجود میں آچکی ہیں، البتہ وقف کی بنیاد پر کام کرنے والی کوئی ری تکافل کمپنی عملاً وجود میں نہیں آئی، امید ہے کہ مستقبل قریب میں وجود میں آجائے گی''۔(تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ، ص:۱۳۷)

خلاصہ کلام:

(۱) ہر تکافل کمپنی کے لئے اپنا ری تکافل کمپنی سے تکافل کروانا قانوناً لازمی ہے۔

(۲) اب تک وجود میں آنے والی کوئی ری تکافل کمپنی وقف کی بنیاد پر نہیں ہے۔

(۳) ری تکافل کمپنی کا مقصد کاروباری نقطہ نگاہ سے

(الف) تکافل فنڈ کے ساتھ رسک (خطرات) کو شیئر کرنا ہے تاکہ رسک شیئر ہوجائے اور نقصان کی صورت میں کوئی ایسی صورت حال پیدا نہ ہو جس میں تکافل فنڈ دیوالیہ ہوجائے اور تکافل ممبرز کا مفاد خطرے میں پڑجائے۔

(ب) ری تکافل کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ مجموعی رقم کو انوسٹ کر کے انوسٹمنٹ کا دائرہ بڑھائے اور سرپلس (بچت) میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو۔

(ج) ری تکافل کمپنی انڈر رائیٹنگ فلیکسبلٹی (Underwriting

Flexibility) یعنی رسک کو قبول کرنے کی لچک اور سہولت مہیا کرتی ہے اور تکافل کمپنی کو مالی سہارا دیتی ہے، تاکہ وہ مستحکم ہو اور مارکیٹ میں مروجہ کمپنیوں کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔

(د) ری تکافل کمپنی یہ بھی کر سکتی ہے کہ کمی کی صورت میں ری تکافل شیئر ہولڈرز فنڈ سے تکافل کو قرض حسنہ دے، تاکہ وہ اس سے اپنے مقاصد اور ضروریات پوری کر سکے۔ (تکافل کی شرعی حیثیت، ص: ۱۱۵، ۱۱۶)

نیز ! ''تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ'' میں لکھا ہے کہ ''اگر ری تکافل کا سہارا نہ لے اور خود سارا رسک کور کرے تو اسے پریمیم زیادہ لینا ہوگا، اگر وہ اس طرح نہ کرے تو مارکیٹ کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ (ص: ۱۳۷)

مذکورہ تفصیل کے بعد یہ بات بہت حد تک کھل کے سامنے آجاتی ہے کہ ایک طرف تو نظریہ تکافل کے لئے احادیث مبارکہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات سے استدلال اور دوسری طرف مذکورہ خط کشیدہ عبارتیں کیا منظر پیش کر رہی ہیں۔ مذکورہ مقاصد پر نظر ڈالنے سے ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ مقصود کاروبار اور اپنی تجارت کو فروغ دینا ہے اور بَس، نہ کہ وقف جیسے مقدس و محترم حکم کا احیاء واجراء۔

دوسری بات ! ابھی تک کوئی بھی ری تکافل کمپنی وقف کی بنیاد پر وجود میں نہیں آسکی ہے، بلکہ جن ری تکافل کمپنیوں سے تکافل کمپنیاں اپنا تکافل کرواتی ہیں وہ تبرع کی بنیاد پر کام کر رہی ہیں، اور تبرع کی بنیاد کو خود ہمارے مجوزین حضرات پوری طرح رد کر چکے ہیں، کیونکہ تبرع کی بنیاد صحیح اسلامی متبادل پیش نہیں کر سکتی، ذیل میں خود مجوزین کی طرف سے ان تکافل کمپنیوں پر کئے جانے والے اشکالات پیش کئے جاتے ہیں جو تبرع کی بنیاد پر چل رہی ہیں:

''(ا) اس صورت میں تکافل بھی مروجہ بیمہ کی طرح عقدِ

معاوضہ بن جائے گا اور غرر و ربا جیسے مفاسد اس میں مؤثر ہو جائیں گے۔

(۲) چندہ کی رقم چندہ دہندہ کی ملکیت سے نہ نکلنے کی وجہ سے شرعی ضابطہ کے مطابق اس کی زکاۃ چندہ دہندہ پر واجب ہونی چاہیئے۔

(۳) چندہ دہندہ کے انتقال کی صورت میں دیا ہوا پیسہ اس کے ترکہ میں شمار ہونا چاہیئے۔

(۴) نیز! جب پول کا احسان چندہ دہندہ کے احسان سے مشروط ہوگا اور دونوں پر اپنا اپنا احسان لازم ہے تو یہ ''جبر فی التبرع'' ہوگیا، یعنی زبردستی کا احسان، جس کا باطل ہونا ظاہر ہے، چنانچہ زیادہ تر لوگوں کو تکافل کے بارے میں یہی اشکال رہتا ہے۔اس کے علاوہ بھی تبرع کی صورت میں پیچیدگیاں (Complications) ہیں، جن کا جواب اور حل کوئی آسان کام نہیں''۔(تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۸۶، ادارۃ المعارف)۔

مذکورہ خرابیوں کی وجہ سے (اور بقول انہی کے اور بہت سی خرابیوں کی وجہ سے) وقف کی بنیادوں پر تکافل کا نظام وضع کیا گیا اور ان (تبرع کی) بنیادوں پر چلنے والے تکافل میں شرکت کو ناجائز کہا گیا، لیکن جب مجوزین حضرات خود پھنسے وہاں ان حضرات نے مجبوری اور ضرورت کے نام سے خود اسی نظام کو اختیار کر لیا، چنانچہ ''تکافل کی شرعی حیثیت'' میں لکھا ہے کہ:

''خلاصہ یہ کہ تکافل کمپنیوں کے لئے مروجہ ری انشورنس

(کمپنیوں) سے انشورنس کی سہولت لینا جائز نہیں، بلکہ کسی ری تکافل کمپنی کو اختیار کریں، گو اس کی تعداد فی الحال کم ہے، نیز! ری (تکافل) کمپنیاں زیادہ تر تبرع پرمبنی (Based) ہیں، وقف پر نہیں، تاہم فی الحال بدرجہ مجبوری اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے، کیونکہ تبرع بیسڈ تکافل کے جواز کی بڑی تعداد علماء میں سے قائل ہے اور بہت سے اسلامی ممالک میں یہی ماڈل زیرِ عمل ہے ''۔(ص:۱۲۰)

ایک اور جگہ، سوال کے جواب کوملاحظہ فرمائیں:

''سوال: ہمارے ہاں زیادہ تر تکافل کمپنیاں وقف ماڈل ہیں، ری تکافل کمپنیاں مثلاً: سوس ری وغیرہ فی الحال اس بنیاد پر قائم نہیں، تو کیا ان ری تکافل کمپنیوں کی پالیسی لینے کی گنجائش ہے؟

جواب:......جی ہاں، کیونکہ قانونی مجبوری ہے''۔ (ص:۱۲۱)

لیجئے! اب خود ہی دیکھ لیا جائے، مزید کچھ تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی، کہ جس چیز کو مجوزین حضرات کل تک خود غلط کہہ رہے تھے اور اس کی شرعی خرابیاں گنواتے ہوئے اس کو مسترد کر چکے تھے اور باقاعدہ اس کے مقابل نیا نظام ترویج دے رہے تھے، جب اس میں خود ملوث ہونا پڑ رہا ہے تو اسے مجبوری کا نام دے کر جائز قرار دے دیا، ٹھیک ہے کہ بہت سارے ممالک میں اس بنیاد پر ''تکافل'' یا ''ری تکافل'' کمپنیاں موجود ہیں لیکن مجوزین کے نزدیک تو وہ پوری بنیاد شرعی تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتی نا! تو پھر مجبوری کے نام سے ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی اجازت دے دینے سے اُن مفاسد سے بچاؤ ہو

جائے گا؟ یا اُن کو شرعاً برداشت کرلیا جائے گا؟ جن کو خود مجوزین حضرات شمار کروا کے اُس نظام کو مسترد کر چکے ہیں، نیز! یہ مجبوری، آیا وہ مجبوری بھی ہے کہ جس میں کسی قدر گنجائش کا حصول ممکن ہو، یہ مقام بھی اہل علم حضرات کے لئے غور طلب ہے۔

لہٰذا ری تکافل کمپنیوں سے تکافل کمپنیوں کا تکافل کروانا جائز نہیں ہے، اور اگر ری تکافل کمپنیاں وقف کی بنیاد پر بھی ہوں تو بھی ان میں وہ تمام خرابیاں موجود ہیں جو پیچھے تفصیل سے ذکر کی جا چکی ہیں۔

اس سے ہٹ کر'' تکافل کی شرعی حیثیت'' میں ذکر کردہ یہ عبارت کہ'' ری تکافل کمپنی یہ بھی کر سکتی ہے کہ کمی کی صورت میں ری تکافل شیئر ہولڈرز فنڈ سے تکافل کو قرض حسنہ دے، تاکہ وہ اس سے اپنے مقاصد اور ضروریات پوری کر سکے''، مضاربت فاسدہ کو بھی بتا رہی ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

ذکر کردہ تعبیر ظاہر کر رہی ہے کہ'' ری تکافل کمپنی قرض دینے کی پابند نہیں'' تاکہ یہ اشکال نہ ہو سکے کہ کمپنی نے رقم دو اغراض کے لئے لی تھی:

(۱) انوسٹمنٹ کے لئے، تاکہ سرپلس میں اضافہ ہو۔ (۲) متوقع نقصانات کی صورت میں قرض حسنہ فراہم کرنے کے لئے، جیسا کہ ماقبل میں لکھا تھا کہ'' پریمیم کی مقدار مناسب رکھنے اور خطرات کو پھیلا کر نقصان کی تلافی کو یقینی بنانے کے لئے (جو قرض دینے کی صورت میں ہی ممکن ہے) ری انشورنس کو انشورنس کے لئے یا ری تکافل کو تکافل کے لئے جزو لازم سمجھا جاتا ہے اور قانوناً بھی یہ لازم ہے اور اس کے بغیر لائسنس بھی جاری نہیں ہوتا''۔ غرضیکہ! ری تکافل کمپنی کا بظاہر مقصدِ اصلی ممکنہ نقصان میں قرض حسنہ کی فراہمی کی صورت پیدا کرنا ہے۔

اشکال کی صورت یہ ہے کہ جب تکافل کمپنی نے ری تکافل کو ۲۰ رفیصد دیا تو یہ

رب المال بنی اور ری تکافل مضارب بنی، چنانچہ مضارب نے ایک طرف تو رب المال کا ۲۰/ رفیصد انوسٹ کیا اور دوسری طرف ممکنہ نقصان کی تلافی کے لئے قرض حسنہ بھی فراہم کر رہی ہے، تو یہ التزام عقدِ مضاربت میں شرطِ فاسد ہے، جس سے مضاربت فاسد ہو جائیگی۔

اِس اشکال سے بچنے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی کہ ”ری تکافل کمپنی یہ بھی کر سکتی ہے......“ حالانکہ ری تکافل کمپنی کا مقصد و موضوع ہی یہی ہے کہ وہ ممکنہ نقصانات میں تکافل کمپنی کی مدد کر سکے، کیونکہ سوچنے کی بات ہے کہ تکافل کمپنی تو خود اپنے پالیسی ہولڈرز کے سرمایہ میں سے ۸۰/ رفیصد انوسٹمنٹ کرتی ہے، ری تکافل کمپنی کو ۲۰/ رفیصد دینے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ متوقع خطرات سے نمٹا جا سکے، بہر حال اتنی بات تو یقینی ہے کہ ری تکافل کمپنی نقصان کی صورت میں قرض دے گی اور دیتی ہے (ورنہ تو تکافل کمپنی کا اس سے اپنا تکافل کروانا کچھ معنی نہیں رکھتا) اور یہ ایسا اقدام ہے جس سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

پانچویں خرابی:

ایک اور غور طلب پہلو! تکافل کمپنیوں کا ایڈمن فیس اور ایلوکیشن فیس لینے کا بھی ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنے والے پالیسی ہولڈر سے وصول شدہ رقم میں سے اس کی کل رقم کا ایک بہت بڑا حصہ ایلوکیشن فیس کے نام سے کاٹ لیا جاتا ہے، جس کی مقدار مختلف قسم کے تکافل میں مختلف ہوتی ہے، مثلاً: ۸۰/ رفیصد، ۸۵/ رفیصد، ۹۰/ رفیصد وغیرہ۔ پھر اگلے سال ۲۰/ رفیصد، اور اس سے اگلے سال ۱۰/ رفیصد ایلوکیشن فیس کے نام سے کاٹ لی جاتی ہے، یہ ساری فیس تکافل کمپنی کے ایجنٹ اور ذمہ داران کمپنی کی ملکیت ہوتی ہے، دوسری طرف دیکھا جائے تو اس جگہ (تکافل میں) اور انشورنس میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا

وہاں بھی پہلی قسط کا ایک بڑا حصہ کمپنی کے ایجنٹ کا ہوتا ہے، اس کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ انشورنس میں یہ ظلم ہوتا ہے کہ پہلی قسط پوری کی پوری ایجنٹ کی جیب میں چلی جاتی ہے، لیکن جب اس کا متبادل نظامِ تکافل وجود میں آیا تو وہاں بھی مختلف فیسوں کے نام سے پہلی قسط کا اکثر حصہ کمپنی کی ملکیت چلا جاتا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو یہ (تکافل کے پیش کردہ نظریئے ''جس کی تقویت کے لئے قرآنِ پاک، احادیثِ مبارکہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات پیش کئے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ نظام محض ہمدردی اور بھائی چارے اور برادریوں میں قائم کئے جانے والے باہمی امدادی فنڈوں کی بنیاد پر ہے'' کی وجہ سے) پالیسی ہولڈر کے ساتھ زیادتی ہے ،وہ اس طرح کہ اگر کوئی پالیسی ہولڈر پہلی قسط جمع کروانے کے بعد کسی وجہ سے تکافل کمپنی کو چھوڑنا چاہے تو قواعد وضوابط کے مطابق اُسے صرف وہ رقم ملتی ہے جو اُس کی انوسٹمنٹ کھاتے میں جمع ہو، یا پھر اس رقم سے کی گئی سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا نفع۔ وہ اِس طرح کہ تکافل کرواتے ہی مثلاً: ۸۵رفیصد رقم تو ایلوکیشن فیس کے نام سے پہلے ہی الگ کر لی گئی، باقی رقم میں سے کچھ مقدار وقف فنڈ میں ڈال دی گئی، چنانچہ یہ دونوں رقمیں تو واپس نہیں ہوسکتیں، ایک تو کمپنی کا حق تھی اِس لئے، اور دوسری اِس کی ملکیت سے نکلنے اور وقف کی ملکیت میں چلی جانے کی وجہ سے، اور بقیہ رقم میں سے بھی ہر ماہ ڈیڑھ فیصد ایڈمن فیس کاٹی جاتی ہے، لہٰذا یہ ''واپس ہونے والا پالیسی ہولڈر'' جتنی دیر کرتا جائے گا اتنی رقم اس کی کم ہوتی جائے گی، تو پالیسی ہولڈر کے ہاتھ کیا آئیگا؟ سوائے اس بات کے وہ اس جگہ سے بھی یہ ذہن لے کر نکلے گا کہ انشورنس کے متبادل کے طور پر پیش کیا جانے والا نظام (تکافل) بھی انشورنس ہی کی طرح لوگوں کی جیبیں خالی کرنے والا نام نہاد اسلامی نظام ہے۔

اِس وقت بڑی سادگی سے کمپنی والے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ہم تو یہ سب کچھ پہلے سے ہی بتا دیتے ہیں ناجائز اور بُرا تو تب ہوتا جب کوئی بات پوشیدہ رکھی جاتی، سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح علی الاعلان بتلا کر لوگوں کا مال مختلف طریقوں سے حاصل کرنا درست ہو جائے گا؟ بالخصوص اُس وقت جب انشورنس کے نظام کو ختم کرنے کے لئے ہی نظامِ تکافل کی خوشنما بنیاد رکھی گئی ہو؟ حالاں کہ فقہا کی طرف سے کئی معاملات کو محض اِس وجہ سے ناجائز قرار دے دیا جاتا ہے کہ اُس میں کسی ایک فریق کو نقصان پہنچتے ہوئے دوسرے کو نفع ہی نفع حاصل ہو رہا ہوتا ہے۔

یہ چند باتیں اہلِ علم حضرات کے سامنے بطورِ تمہید ذکر کی گئی ہیں تاکہ اس موضوع کے ہر گوشے پر سوچتے ہوئے پختہ بنیادوں پر عوام کے سامنے کوئی راہِ عمل پیش کی جا سکے۔

اِس صورت میں اِس بات سے کسی طرح مفر ممکن نہیں کہ صحیح صورت صرف اور صرف اسلام کے حقیقی اور ابدی نظامِ کفالتِ عامہ کا احیاء اور اس کو رواج دینا ہے اور بس۔ اسلامی نظامِ کفالت عامہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے اس کا بنیادی مقصد اپنے مستقبل کے خطرات کا تحفظ، نقصانات کی تلافی اور اپنے خزانے کو بڑھانا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو بطورِ کاروبار اختیار کرنا ہوتا ہے، بلکہ اس نظام کا خاصہ اور شعار یہ ہے کہ اس میں معاشرے کے تمام افراد باہم ایک دوسرے کے مددگار و معاون ہوتے ہیں اور بوقتِ ضرورت بلا کسی غرض و لالچ کے ضرورت مندوں اور مجبوروں کی حتی الوسع مدد کرتے ہیں، یہ نہیں کہ معاشرے کے مخصوص افراد کی مدد، مخصوص حالات میں، مخصوص مقدار میں کی جائے گی، (جیسا کہ انشورنس اور مروجہ تکافل میں ہوتا ہے، کہ جو جتنا چندہ یا فیس دے گا صرف اُسی کی اس کے بقدر مدد کی جائے گی، کسی اور کی نہیں)

اسلام کے نظامِ کفالتِ عامہ کی بنیادی صورت اور خاکہ ماہ نامہ الفاروق کے شعبان 1432ھ بمطابق جولائی 2011م کے شمارے میں پیش کیا جا چکا ہے۔

☆☆............☆............☆☆

باب دوم

اسلام کا نظامِ کفالتِ عامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظامِ کفالتِ عامہ

اسلام سے قبل لوگوں کی حالت

آج سے چودہ سوتیس سال قبل جب دنیا موجودہ وقت سے زیادہ غیر متمدّن اور ظلمت و جہالت کا شکار تھی، معاشرے کا ہر ہر شعبہ اِفراط وتفریط کا شکار ہو چکا تھا، غریب اور کمزوروں سے جینے کا حق چھین لیا گیا تھا، الغرض ہر شعبہ اور ہر طبقہ بہت زیادہ کسمپُرسی کا شکار ہو چکا تھا، اِن تمام حالات کے درمیان نظامِ معاش بھی ہر طرح کی ناہمواریوں کا شکار تھا، ایسے میں جب نا اُمیدی کے بادل پورے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھے، ایک آفتاب و ماہتاب ایک طریقہ زندگی لے کر نمودار ہوا اور ظلمت سے بھری دنیا کے گوشے گوشے کو نورانیت سے بھر دیا، بہت ہی قلیل مدت ۲۳/ سال کے عرصہ میں اس ''طریقۂ زندگی'' (جسے ''اسلام'' کہتے ہیں) نے اپنا لوہا منوالیا اور ہر میدان میں ایسا نظام پیش کیا کہ دنیا امن کا گہوارہ بن گئی، شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے نظر آنے لگے، امراء کو عزت ملی تو غریبوں کو سکون اور آسائش ملی، ہر فرد دوسرے کے غم کو اپنا غم اور دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھنے لگا، حتی کہ پورا معاشرہ ایک جسدِ واحد کا نظارہ پیش کرنے لگا، جس کے ایک حصے کی تکلیف کو محسوس کرنے والا صرف ایک حصہ ہی نہیں ہوتا، بلکہ پورا جسم ہوتا ہے۔

اسلام کی معاشی نظام

ان طریقہ ہائے زندگی میں سے اسلام کا نظامِ کفالت یا نظامِ تکافل بھی ہے، جو ایسا جامع نظام ہے جس کے تحت ایسا معاشی نظام قائم ہوگا، جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز، معاشرے کے ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں اتنا سامان معاش ہر حال میں میسر ہو جائے،

جس کے بغیر عام طور پر کوئی انسان نہ اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے، اور نہ ہی اپنے متعلقہ فرائض وحقوق سرانجام دے سکتا ہے، اس نظام کے تحت ملکی وقومی دولت کی گردش کا دائرہ کار چند اغنیاء اور بڑے مالدار لوگوں کے درمیان محدود نہ ہونے پائے کہ دوسرے ان کے رحم وکرم پر ہوں بلکہ اس صورت میں تو اور بھی خصوصیت کے ساتھ اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے، کہ معاشرے کے وہ افراد جو مسکین محتاج اور نادار ہوں اور کسی طبعی عذر کی وجہ سے معذور ہوں جس کی وجہ سے کوئی معاشی کام کرنے اور اپنے لئے خود روزی کمانے کے قابل نہ ہوں، یا مناسب روزگار نہ ملنے کی وجہ سے حالت ایسی ہوگئی ہو تو ایسے ضرورت مند افراد کی ''معاشی کفالت'' حکومت کی اولین ذمہ داریوں میں شامل ہے اور اسی طرح جو اُن کے عزیز واقرباء ہیں، اُن کے ذمہ اِن کی کفالت ہوگی اور معاشرے کے دیگر جو مال دار لوگ ہیں وہ صدقاتِ واجبہ ونافلہ اور عطیات سے ایسے افراد کی کفالت کا انتظام کریں گے۔

اسلامی معاشرے کا تصورِ حقیقی

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ: اسلام افرادِ معاشرہ کے درمیان جس معاشی مساوات کو پیدا کرنا چاہتا ہے وہ یہ نہیں کہ معاشرے کے تمام افراد کے درمیان مال ودولت یکساں اور برابر ہو، جتنی اور جیسی ایک فرد کے پاس ہواتنی اور ویسی ہی تمام افراد کے پاس ہو، کیونکہ ایسی مساوات، خیالی دنیا میں تو ہوسکتی ہے، لیکن حقیقت کی دنیا میں نہیں ہوسکتی، اسلام جس مساوات کو چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ مال و دولت کی کمی بیشی کے ساتھ ساتھ افرادِ معاشرہ کے معیارِ زندگی اور مظاہرِ معیشت میں زیادہ سے زیادہ یکسانیت اور برابری ہو، لہٰذا اسلام غنی کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا زائد اور اضافی مال راہِ خدا اور مصارفِ خیر میں خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور روحانی عظمت اور اخلاقی برتری حاصل کرے۔

اہلِ مغرب کا پروپیگنڈہ

اس کے بعد یہ جاننا بھی نہایت ضروری ہے کہ مغربی دنیا اور بعض جدّت کی طرف مائل مسلم دانشور بھی یہ پروپیگنڈہ کرتے نظر آتے ہیں کہ "اسلام نے کوئی معاشی نظام نہیں دیا"، ان کا یہ کہنا انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ معیشت کا تعلق حصولِ رزق اور پیدائشِ دولت سے ہے، اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور رہنے سہنے کے لئے انتظام کیا جانا انسانی تاریخ کا اتنا قدیم عنصر ہے جتنی دنیا کی تاریخ، تو کیا ایسا ممکن ہے کہ اسلام آنے کے بعد ہزار سال تک (جو کہ دنیا میں اسلام کے عروج کا دور ہے) لوگ ضروریاتِ زندگی سے محروم تھے؟

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مثالی دور

ہرگز نہیں! بلکہ حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مختصر دور تو ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے، کہ جو نظام محض ۲۳ سال میں انہوں نے پوری دنیا میں متعارف کرا کے رائج بھی کر دیا اور وہ ۳۲ سال تک اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ قائم رہا، پھر غیروں کی سازشوں اور کوششوں سے اِس نظام کے ختم ہونے تک ایک ہزار برس لگ گئے، یعنی جو فلسفۂ معاش ساتویں صدی عیسوی میں انسانیت کے سامنے آیا اُس کے اثرات سترہویں صدی عیسوی تک بھی مٹائے نہ جاسکے، اور آج بیسویں صدی میں بھی دنیا کی ایک بہت بڑی آبادی اِس نظام کو اپنائے ہوئے ہے، پھر اس نظام کو فرسودہ کیونکر کہا جاسکتا ہے؟!

اسلامی نظامِ معاش ونظامِ کفالت کے خلاف باطل کی کوششیں

اسلامی نظامِ معاش و نظامِ کفالت کو برباد کرنے کے لئے برسہا برس کوششیں ہوئیں، منصوبے بنے، اُن پر عمل ہوا، اور ایک حد تک اِن اسلام دشمن عناصر کو کامیابی بھی

ہوئی، اُن منصوبوں میں سے ایک منصوبہ ''نظامِ انشورنس'' بھی ہے جو اسلام کے نظامِ کفالتِ عامہ کو ختم کرنے کے لئے وجود میں آیا، ایک نظر اِس مغربی نظامِ انشورنس کے مقاصد پر ڈال لی جائے تا کہ اس کے مقابل اسلام کے نظامِ کفالت کی جامعیت اور افادیت پوری طرح واضح ہوجائے۔

نظامِ انشورنس کی تباہ کاریاں

نظامِ انشورنس سماجی اور معاشی تحفظ کا ضامن نہیں بن سکتا، کیوں کہ اِس کا دائرہ کار انتہائی محدود ہے، اگر کچھ تھوڑا بہت نظر آرہا ہے تو محض اِن ہی افراد کے لئے یہ نظام ہے، جو کمپنی کی پالیسی لیتے ہیں، یہ وہ افراد ہوتے ہیں جو عام طور پر سرمایہ دار ہی ہوتے ہیں، اِس نظام میں ایسے طبقہ یا افراد کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے، جو اُن کے پالیسی ہولڈر نہیں ہیں، جو معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں، ایسے افراد کو سہارا دینے کا، ان کا ساتھ دینے کا، ان کو چلانے کا، گرے پڑے ہوؤں کو اٹھانے کا کوئی پروگرام یا کوئی حصہ نہیں ہے، جو معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں، اس نظام میں نہ یتیم بچوں کے سروں پر رکھنے کے لئے دستِ شفقت ہے (کیوں کہ ان کا والد پالیسی ہولڈر نہیں تھا) اور اُس بیوہ کے لیے کھانے کے لیے ایک لقمہ کا بھی انتظام نہیں ہے، جس کا مزدور خاوند بیمہ کمپنی میں اپنا، یا اپنی اس بیوہ کا بیمہ نہ کرا سکا تھا، اِس نظام میں اُن غرباء اور مساکین کے لئے کوئی پالیسی یا انتظام نہیں ہے، جو مکان نہ ہونے کے باعث کھلے آسمان تلے زندگی بسر کررہے ہیں یا دن بھر مزدوری نہ ملنے کے سبب بھوکے سونے پر مجبور ہیں، ایسا کیوں؟؟ اِس لئے کہ وہ بیمہ کمپنی کے ممبر نہیں ہیں، اُن کے پاس اِن کی اَقساط ادا کرنے کے لئے وسائل نہیں ہیں۔

مذکورہ تفصیل کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے، کہ ''نظامِ انشورنس'' جس پر آج مغرب فخر کررہا ہے اور غریبوں کو اپنا محسن ہونا بتا رہا ہے، جس کے پُر فریب اور

پُرکشش اشتہارات ''ہر فکر کو دور کیجئے'' اور ''غم کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیں'' کا سبق پڑھا رہے ہیں، دراصل یہ (نظام) مذموم سرمایہ دارانہ نظام کی کوکھ سے جنم لینے والا ایک نیا نظام استحصال، دولت کو اپنے پاس جمع کرتے رہنے کا جدید حیلہ اور عالمِ اسلام میں یہودی کاروبار کو فروغ دینے والا ذہنی، فکری و عملی منصوبہ ہے، جس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ''امیر کے لئے سب کچھ اور نادار و بے کس غریب کے لئے کچھ نہیں ہو''۔

اسلام کے نظامِ کفالتِ عامہ کی ہمہ گیریت

اس کے برعکس اسلام کے نظامِ کفالتِ عامہ کو پہچانئے اور اس کی جامعیت اور کاملیت کا بڑی بیدار مغزی اور پوری بصیرت سے جائزہ لیجئے کہ کتنا دودھ اور کتنا پانی ہے؟! جس کا مقصد اسلامی ریاست کے متمول، صاحبِ ثروت افراد سے جائز اور شرعی طریقے سے ان کے مال کا کچھ حصہ لے کر اور غرباء و مساکین اور معذورین سے کچھ بھی نہ لے کر مملکت وریاست کے تمام باشندوں (بلاتمیز مسلم و کافر) کی ہر قسم کی سماجی، معاشرتی، ومعاشی حاجات وضروریات کی کفالت، غیر متوقع پیش آمدہ حادثات کا تحفظ اور نقصانات کی تلافی کی ضمانت دینا ہے۔

یہ نظام (کفالت) اس معاشی نظام کا ایک حصہ ہے جس کا مقصد محض معاشی کفالت ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ امن وسلامتی کی ضمانت دینا ہے، اس (اسلامی نظام) کا، رکن بننے کے لئے کوئی قسطیں، کوئی فیس نہیں ادا کرنا پڑتی، بلکہ صرف احکاماتِ الٰہیہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اسلام کو بحیثیت ضابطہ حیات تسلیم کرنا، امراء کا جائز شرعی واجبات (زکاۃ، صدقات واجبہ، عشر وغیرہ) ادا کرنا اور پوری زندگی اللہ کا بندہ بن کر رہنا ہے اور بصورتِ ذمی، اسلامی ریاست کا وفادار شہری بن کر رہنا اور معمولی جزیہ کا ادا کرنا ہے۔

اسلام کے نظام کفالت عامہ کا دستور

اسلام جس قسم کا نظام کفالت پیش کرتا ہے، اس میں اوّلیت اس بات کو دی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کا کوئی شخص بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے، اس نظام میں امیر کو ترغیب دے کر، اور آخرت کا خوف دلا کر یہ درس دیا جاتا ہے کہ وہ غریب اور محروم المعیشت تک اس کی ضروریاتِ زندگی پُہنچائے، جو شخص مفلس اور نادار کی حاجت پوری نہ کرے وہ کامل مسلمان ہی نہیں۔

قرآن پاک کا معاشی نظام سے متعلق اُسلوب:

اسلام میں کمال حاصل کرنے کے لئے جن صفات کا ہونا ضروری ہے، اُن میں سے ایک صفت غرباء کو کھانا کھلانے کی تلقین بھی ہے، ملاحظہ ہو:

"أرءيت الذي يكذب بالدين ، فذٰلك الذي يدع اليتيم ، ولا يحض على طعام المسكين "۔

(الماعون: ۱ تا ۳)

ترجمہ: ''کیا تو نے ایسے شخص کو دیکھا جو جزاوسزا کا منکر ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا''۔

دیکھیے! غریب کو خود کھانا کھلانے سے انکار تو دور کی بات ہے، یہاں تو اگر کوئی فرد کسی دوسرے متمول شخص کو کسی بھوکے شخص کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا تب بھی اسے صحیح اور کامل دیندار قرار نہیں دیا جا رہا۔

ایک اور جگہ تو بہت سخت لہجے میں فرمایا گیا:

"خذوه فغلوه ، ثم الجحيم صلّوه ، ثم في

سلسلة ذرعها سبعون ذراعاً فاسلكوه ، إنه كان لا يؤمن بالله العظيم ، ولا يحض على طعام المسكين ".

(الحاقة: ٣٠ تا ٣٤)

ترجمہ: ''اسے پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو، پھر اسے جہنم میں داخل کرو پھر اسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو، یقیناً یہ وہی ہے جو خدائے بزرگ و برتر پر ایمان نہیں لایا تھا، اور نہ ہی محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا''۔

ایک اور جگہ ایمان والوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

"ويطعمون الطعام علىٰ حبه مسكيناً و يتيماً وأسيراً ".

(الدهر: ٨)

ترجمہ: ''اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں (اپنا) کھانا مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"في أموالهم حقٌ معلومٌ ، للسائلِ والمحروم".

(المعارج: ٢٤، ٢٥)

ترجمہ: ''ان کے مال ودولت میں ایک متعین حق ہے ،سوالی اور بے سوالی کا''۔

مذکورہ آیات میں ''سائل بمعنیٰ سوالی سے مراد وہ غریب ہے جو اپنی حاجت ظاہر کر دیتے ہیں اور ''محروم بمعنیٰ بے سوالی سے مراد وہ غریب ہے جو حاجت مند ہونے کے باوجود اپنی حاجت کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، نیز ان آیات میں امراء کے لئے ایک

راہِ عمل متعین کر دی گئی، اور پھر دوسرے طرز پر مقصد یہ بتایا گیا کہ

"كي لا يكون دولةً بين الأغنياء منكم". (الحشر: ۷)

ترجمہ: ''تا کہ وہ (دولت) تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتی رہے''۔

اس آیتِ کریمہ میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ مال صرف مالداروں میں ہی گھومتا رہے، یا امیر! روز بروز امیر تر اور غریب دن بدن غریب تر ہوتے چلے جائیں، اس مقصد کے لئے سود حرام کیا گیا، زکوٰۃ فرض کی گئی، مالِ غنیمت میں خُمس مقرر کیا گیا، صدقات کی ترغیب دی گئی، مختلف قسم کے کفارات کی ایسی صورت تجویز کی گئی جن سے غریب افراد کی خاطر خواہ دلداری اور حاجت براری ہو سکے، میراث کا ایسا قانون بنایا گیا کہ ہر مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائرے میں پھیل جائے، اخلاقی حیثیت سے بخل کو سخت قابلِ مذمت اور سخاوت و فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا، الغرض وہ تمام انتظامات کئے گئے کہ دولت پر بااثر لوگوں کی اجارہ داری قائم نہ ہو اور دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف بھی ہو جائے۔

احادیثِ مبارکہ کا معاشی نظام سے متعلق اُسلوب:

سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے کہ یہ افرادِ معاشرہ سے سخاوت کو بالکلیہ ہی ختم کر دیتا ہے، چنانچہ اِس نظام کی کسی بھی کتاب کو اُٹھا کے دیکھ لیا جائے کہ اس میں سخاوت و فیاضی کا کوئی ایک بھی عنوان ڈھونڈنے سے نہ مل سکے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نظام کا خمیر ہی بخل اور امساک سے اٹھایا گیا ہے، جبکہ سخاوت و فیاضی کریمانہ اَخلاق کے وہ حصے ہیں جو اللہ رب العزت کی راہ میں خرچ کرنے سے فقراء و مساکین کی محبت، دنیاداری کی حقارت

جیسی عمدہ روحانی غذا پاتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے سخاوت وفیاضی کے اوصافِ حمیدہ کے ذریعے اپنے مال ودولت میں امت کے غرباء اور بے کسوں کو بھی شامل فرمایا اور اس طرح گردشِ دولت کی راہیں کشادہ کردیں اور بخل وارتکازِ دولت کی عاداتِ رذیلہ کے مضر اثرات کو ختم فرمایا، اور اس خصلتِ حمیدہ میں امت کو بھی اپنے ساتھ شامل فرمایا، جابجا ان کی ذہن سازی کی، کبھی ترغیب کے ذریعے اور کبھی ترہیب کے ذریعے، لیکن ان سب سے بڑھ کر خود آپ ﷺ کا اپنا پاکیزہ عمل نمونہ تھا، جس کی ادنیٰ سی جھلک پہلی بار نازل ہونے والی وحی کے وقت آپ ﷺ پر طاری ہونے والی گھبراہٹ کو دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ کو تسلی دیتے ہوئے آپ کی اعلیٰ صفات شمار کروانا ہے، ملاحظہ ہو:

"فقالت خديجة : كلّا والله ما يخزيك الله أبداً إنك لَتصل الرحم و تحمل الكلّ و تكسب المعدوم و تقري الضيف و تعين على نوائب الحق"(صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي،رقم الحديث:٣،١/٧، دار طوق النجاة)

ترجمہ: (آپ ﷺ کی گھبراہٹ کو دیکھ کر) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کریں گے، آپ تو رشتوں کو جوڑنے والے ہیں، آپ تو کمزوروں، بے کسوں کا سہارا بنتے ہیں، جن کا کوئی کمانے والا نہیں آپ اُن کی کمائی کا بندوبست کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں"۔

یہ تو آپ ﷺ کی صفاتِ عالیہ کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے، ورنہ تو پوری حیاتِ

طیبہ یہی اُسوہ پیش کرتی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أيما أهل عرصة أصبح فيهم امرء جائعاً فقد برئت منهم ذمة الله"۔(المستدرك على الصحيحين، كتاب البيوع، رقم الحديث:٢١٦٥، ٢/١٤، دار الكتب العلمية)

ترجمہ: ''کسی بھی بستی میں کوئی شخص اس حال میں صبح کرے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا ہو، تو اللہ رب العزت کا ذمہ اس بستی سے بری ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے غرباء کی امداد کی اس قدر ترغیب دی کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہمارے پاس جو زائد اموال ہیں ان میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے، ملاحظہ ہو:

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: "بينما نحن في سفر مع النبي ﷺ إذ جاء رجل على راحلة له، فجعل يصرف بصره يميناً و شمالاً"، فقال رسول الله ﷺ "من يكون معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زادٍ، فليعد به على من لا زاد له"، فذكر من أصناف المال ما ذكر حتى رأينا أنه لا حق لأحدٍ منّا في فضلٍ"۔(رياض الصالحين، باب الإيثار و المواساة، رقم، الحديث:٥٦٦، ص:١٧٣، دار السلام)

ترجمہ: ''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ'' روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے کہ ایک

شخص آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اُسے دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو، اور جس کے پاس ضرورت سے زائد زادِ راہ ہو تو وہ (اُس توشے کو) اُسے دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ مختلف انواع کے اموال (اسی طرح اوروں کو دے دینے) کا ذکر فرماتے رہے کہ ہم (میں سے ہر ایک) نے گمان کر لیا تھا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے ضرورت سے زائد مال پر کوئی حق نہیں''۔

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

"من كان عنده طعام إثنين فليذهب بثالث، فإن أربع فخامس، أو سادس"۔(صحيح البخاري ، كتاب الهبة، رقم الحديث: ٢٥٨١، ١٥٦/١، دار الشعب ، القاهرة)

ترجمہ: آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے آدمی کو اپنا مہمان بنا لے، اور اگر چار (آدمیوں) کا کھانا ہو تو پانچوے یا چھٹے کو (اپنا مہمان بنالے)''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ

"طعام الإثنين كافي الثلاثة و طعام الثلاثة كافي الأربعة"(رياض الصالحين، باب الإيثار و المواساة، رقم الحديث: ٥٦٥، ص: ١٧٣، دار السلام)

ترجمہ:''دوافراد کا کھانا تین افراد کو کفایت کر جاتا ہے اور تین کا کھانا چار کو کفایت کر کر جاتا ہے''۔

کفالت کے اس سلسلے کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"عن جابر رضي الله عنه يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "طعام الواحد يكفي الإثنين و طعام الإثنين يكفي الأربعة و طعام الأربعة يكفي الثمانية" .(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة، رقم الحديث: ٥٤٨٩، ٢/١٣٢، دار الجيل، بيروت)

ترجمہ:''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ایک فرد کا کھانا دو کے لئے کافی ہو جائے گا، دو کا کھانا چار افراد کے لئے کافی ہو جائے گا، اور اسی طرح چار افراد کا کھانا آٹھ افراد کے لئے کافی ہوسکتا ہے''۔

یہ ہیں وہ تعلیمات جو اسلام کی جامعیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر یہ امت وحدتِ امت کا نمونہ پیش کر سکتی ہے، یہ تصور امت کے اندر سے منافرت کی بو تک مٹا دیتا ہے، اور امت مسلمہ کو یک جان کر دیتا ہے، اس کی بہت ہی دلکش تعبیر نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائی ہے:

"مثل المؤمنين في توادّهم و تراحمهم و تعاطفهم مثل الجسد إذا اشتكى منه عضوٌ تداعى له سائر الجسم بالسهر والحمى". (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب

تراحم المؤمنين، رقم الحديث: ٦٧٥١، ٨/ ٢٠،
دار الجيل، بيروت)

ترجمہ: ''مؤمنین کی مثال ان کے آپس میں محبت و شفقت، اُنس ومودت اور لطف وکرم میں ایک جسم کی مانند ہے، جسکے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے''۔

اس سے اندازہ کر لینا چاہیے کہ کیا مغرب کا پیش کردہ نظامِ انشورنس اسلام کے نظام کفالت عامہ کے برابر ہوسکتا ہے؟!

اس کے علاوہ اور بہت سی روایات وآثار اس بارے میں منقول ہیں، مثلاً:

"صح عن أبي عبيدة بن الجراح و ثلث مائة من الصحابة أن زادهم فني، فأمرهم أبو عبيدة، فأجمعوا أزوادهم في مزودين و جعل يقوتهم إياها على السواء". (المحلّٰى لابن حزم، كتاب الزكاة، إن الله فرض على الأغنياء مايكفي الفقرا، ٤/ ٢٨٣، دار الكتب العلمية)

ترجمہ: ''حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق یہ روایت درجہ صحت کو پہنچتی ہے کہ (ایک مرتبہ) ان کا سامانِ خوردونوش ختم ہونے کے قریب آلگا تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر ہے، وہ حاضر کرے، تو تمام افراد نے اپنا اپنا توشہ دو تھیلوں میں جمع کردیا، پھر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہا س

جمع شدہ سامان میں سے ان سب میں برابر تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا''۔

وعن أبي موسىٰ رضي الله عنه، قال قال رسول الله ﷺ "إن الأشعريين إذا أرملوا في الغزو، أو قلّ طعام عيالهم بالمدينة ، جمعوا ما كان عندهم في ثوب واحدٍ، ثم اقتسموه بينهم في إناءٍ واحدٍ بالسوية، فهم مني و أنا منهم".(رياض الصالحين، باب الإيثار والمواساة ،رقم الحديث:٥٦٨ ،ص:١٧٣، دار السلام)

غور کریں اس حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے اشعری قبیلہ والوں کی اس وجہ سے تعریف کی کہ جب کبھی سفر حضر میں ان کے ہاں غلہ کی کمی ہو جاتی تو وہ اپنا غلہ ایک کپڑے میں جمع کر دیتے اور پھر برابر تقسیم کر لیتے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں خوش ہو کر فرمایا ''وہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں''۔

''المحلی بالآثار'' میں علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ

''اس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا ننگا یا ضروریاتِ زندگی سے محروم ہے تو مالدار کے خاص مال میں سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے''۔(المحلی بالآثار، کتاب الزکاۃ:۴/۲۸۳،دار الکتب العلمیۃ)

''اسلام کا اقتصادی نظام'' میں حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''تمام ائمہ مجتہدین کا بھی یہی مسلک ہے''۔(اسلام کا اقتصادی نظام،ص:۴۶،ندوۃ المصنفین)

خلاصہ کلام!

''اسلام'' اپنی تعلیمات کے ذریعے تعاون وتکافل کا وہ اعلیٰ ترین معیار قائم کرتا ہے، جس کی بلندیوں تک آج مذموم سرمایہ دار اور لا دین اشتراکی ذہن رکھنے والے کا تخیل، پرواز ہی نہیں کرسکتا۔ اسلام معاشی کمزوریاں دور کرنے کے لئے اجتماعی کفالت ِعامہ کا جوتصور پیش کرتا ہے اُسے صرف وعظ وتلقین ہی تک نہیں چھوڑا، اور نہ ہی اسے صرف انفرادی اور اجتماعی وجدان کے رحم وکرم کے سپرد کیا ہے، بلکہ اسلامی ریاست کے امیر المؤمنین کو ذمہ دار بنایا ہے، کہ وہ اس نظام کو عملی جامہ پہنائے اور اس کے احیاء میں آنے والی ہر رکاوٹ دور کرے۔

اسلامی نظامِ تکافل کی حدود وطریقہ کار:

مندرجہ بالا سطور میں یہ بات تفصیل سے گذر چکی ہے کہ کفالتِ عامہ بنیادی طور پر اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے، اس کے تحت اب جائزہ اس بات کا لینا ہے کہ یہ نظام، ریاست میں بسنے والے صرف مسلمانوں کے لئے ہوگا یا غیر مسلم بھی اس نظام سے مستفید ہوں سکیں گے۔

اور پھر اس نظام کے تحت کس قسم کی ضروریات پوری کی جائیں؟

ہر انسان کے ساتھ کچھ ضروریات ایسی ہوتی ہیں جو انسانیت کی فلاح وبہبود سے متعلق ہوتی ہیں، مثلاً: تعلیم، صحت، تزویج، نومولود بچوں کے وظائف، معذور افراد کی دیکھ بھال، مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی وغیرہ۔

اس کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کیا نظامِ کفالت کا سارا بوجھ سرکاری ریاست کے ہی ذمے ہے یا معاشرے کے افراد بھی اس میں شامل ہیں، چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ افرادِ امت کے ذمہ بھی کچھ مختلف نوعیت کی ذمہ داریاں لاحق ہوتی ہیں جن میں کچھ

قانونی اور کچھ اخلاقی ذمہ داریاں ہیں، قانونی ذمہ داریوں کو ''صدقاتِ واجبہ'' (مثلاً: زکوٰۃ، عشر، صدقۃ الفطر، کفارات، اور نذور، میراث اور نفقات وغیرہ) اور اخلاقی ذمہ داریوں کو ''انفاق'' (مثلاً: صدقات نافلہ، قرضِ حسنہ، ہبہ، عاریت، وصیت، امانت، اوقاف وغیرہ) سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

پھر اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہی سرکاری ادارے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے مصارف کہاں سے اور کیسے لائیں گے؟ اس کے لئے کون کون سے ذرائع اختیار کئے جائیں گے؟ تو یہ مصارف اور ذرائع آمدنی اسلام میں متعین ہیں، مثلاً: زکوٰۃ، خمس، متعین شرائط کے ساتھ جائز ٹیکس، اموالِ فاضلہ، خراج، منافع تجارت وغیرہ۔

خلاصہ کلام! اگر مندرجہ بالا شعبوں کا احیاء ہوجائے اور یہ مصروف عمل ہوجائیں تو ممکن ہی نہیں کہ ملک میں دولت کے ذخائر پر محض چند اور مخصوص افراد قابض ہوں، اور گردش دولت کا بہاؤ صرف اور صرف سرمایہ کاروں کی طرف ہی ہو، اور اس کے برعکس دوسری طرف غریب طبقہ ظلم کی چکی میں پس رہا ہو، اور بھوک پیاس کی حالت میں ایک ایک لقمے کا محتاج ہو۔

اگر اسلام کا یہ نظام کفالت وجود میں ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں غیروں کے بنائے ہوئے نظام انشورنس وغیرہ کا سہارا لینا پڑے اور اپنے دین و مذہب کا خون کرنا پڑے۔ البتہ اس کے لئے انتھک محنت کرنا ہوگی، کہ جس طرح آج سے چودہ سو سال قبل یہ نظامِ کامل پوری طرح چمکتا ہوا، انسان کو انسان اور جہالت ونفسانیت میں ڈوبے معاشرے کو ایک صالح اور پُر امن معاشرے میں ڈھال چکا تھا، جس کی حقانیت کا اعتراف اپنے تو اپنے، غیر بھی کرنے پر مجبور ہوگئے، اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی ایسی ایسی مثالیں قائم ہوئیں کہ آج تک مغربی معاشرہ اس کی کوئی نظیر پیش نہ کرسکا، تو کوئی وجہ نہیں کہ کوئی نظام اس

وقت ''جب کوئی ظاہری ٹھاٹ باٹ نہ تھے'' اپنا اثر قائم کرسکتا ہو اور آج کے دور میں بے اثر ہو!!اگر معاشرے کے چند بااثر افراد مل کر ہمت و کوشش کر لیں اور اپنے فاضل اموال کو مذکورہ بالامدات میں خرچ کرلیں اور پھر ان کی دیکھادیکھی کچھ اور، اور پھر کچھ اور، حتیٰ کہ ہر طرف ایک عام فضا بن جائے تو یقیناً مقصود حاصل ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

اسلام کا نظامِ کفالت کن کن افراد کے لئے مفید ہوگا؟

اسلامی ریاست میں بسنے والے چونکہ صرف مسلمان ہی نہیں ہوتے بلکہ غیر مسلم بھی ہوتے ہیں تو ریاست میں مقیم ہر مسلم و غیر مسلم کی کفالت اس نظام کا حصہ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں جب ''حیرہ'' فتح ہوا تو اس موقع پر ایک معاہدہ لکھا گیا جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے کفالت عامہ کا ذکر ہے، ملاحظہ ہو:

"وجعلتُ لهم أيما شيخ ضعُف عن العمل أو أصابته افةٌ من افاتٍ أو غنيٍ فافتقر و صار أهلُ دينه يتصدقون عليه ، طرحت جزية ، وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما أقام بدار الهجرة و دار الإسلام ".

(كتاب الخراج لأبي يوسف، باب في الكنائس والبيع والصلبان، ص: ١٤٤، مطبوعة سلفية)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''میں طے کرتا ہوں کہ اگر ذمیوں میں سے کوئی ضعیف ہو، کام نہ کرسکتا ہو، یا آسمانی یا زمینی آفات میں سے کوئی آفت اس پر آپڑے، یا ان کا کوئی مالدار محتاج ہوجائے اور اس کے اہلِ مذہب اس کو خیرات دینے لگیں، تو جب تک وہ دار الہجرۃ اور دار الاسلام میں اقامت پذیر ہوں، ایسے تمام افراد کو جزیہ معاف ہے اور بیت المال سے ان کی اور ان کے اہلِ خانہ کی کفالت کی

جائے گی"۔

اسی تناظر میں دور فاروقی کا بھی ایک واقعہ ملاحظہ کرلیا جائے جسے امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الخراج میں نقل کیا ہے:

"قال: وحدثني عمر بن نافع عن أبي بكر قال: مرّ عمر بن الخطاب رضي الله عنه بباب قومٍ وعليه سائلٌ يسأل، شيخٌ كبيرٌ، ضرير البصر، فضرب عضُده من خلفه وقال: مِن أيِّ أهل الكتاب أنتَ؟ فقال: يهوديٌّ، قال: فما ألجأك إلى ما أرىٰ؟ قال: أسألُ الجزيةَ، والحاجةُ، والسِنُّ، قال: فأخذ عمر بيده و ذهب به إلى منزله، فرضَخ له بشئ من المنزل، ثم أرسل إلى خازنِ بيتِ المال، فقال: أُنظر هذا و ضُرباءَه، والله ماأنصفناه أن أكلنا شبيبتَه، ثم نخذُله عند الهرَم ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ و"الفقراء" من المسلمين، وهذا من "المساكين" من أهل الكتاب، ووضع عنه الجزيةَ وعن ضُربائِه، قال أبو بكر: أنا شهِدت ذلك من عُمَرَ و رأيتُ ذلك الشيخَ ". (كتاب الخراج لأبي يوسف، في من يجب عليه الجزية، ص: ١٢٦، الطبعة السلفية، القاهرة)

"اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نابینا بوڑھے شخص کو بھیک مانگتے دیکھا، اس سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ یہودی ہے، بھیک مانگنے کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ جزیہ کی ادائیگی، معاشی ضروریات اور پیرانہ سالی

نے (بھیک مانگنے پر مجبور کردیا) یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے، جو کچھ تھوڑا بہت گھر میں موجود تھا وہ دیا، اور پھر بیت المال کے خزانچی کے پاس فرمان بھیجا کہ یہ اور اس جیسے دوسرے حاجت مندوں کی تفتیش کرو، اللہ کی قسم! ہم اس کے ساتھ ہر گز انصاف نہیں کر سکتے کہ اس کی جوانی کی محنت (بصورتِ جزیہ) تو کھائیں مگر اس کے بڑھاپے میں اسے بھیک مانگنے کے لئے چھوڑ دیں، قرآن پاک میں ہے: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساکین﴾ اور میرے نزدیک یہاں ''فقراء'' سے مراد مسلمان مفلس ہیں (اور ''مساکین'' سے مراد اہل کتاب کے مساکین وفقراء ہیں) اور یہ سائل مساکینِ اہلِ کتاب میں سے ہے، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جزیہ معاف کردیا''۔

مذکورہ بالا اور اس جیسی اور بہت سی نظائر سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی نظامِ کفالت بلاتمیز مسلم وکافر سب کے لئے ہے، یہ ایسا ابرِ رحمت ہے جو باغ اور کوڑے کرکٹ، ہر جگہ برستا ہے۔

کن کن ضروریات کو پورا کیا جائے گا؟

انسان کی ضروریات دو قسم کی ہیں: اول وہ ضروریات جن پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے، اور دوسری وہ ضروریات جو حیاتِ انسانی میں نکھار کا سبب بنتی ہیں:

پہلی قسم کی ضروریات:

ضروریات کی اس قسم میں بنیادی طور پر خوراک، لباس، جائے سکونت، اور ابتدائی وضروری طبی امداد شامل ہے، اسلامی حکومت مذکورہ تمام ضروریات کو پورا کرے گی، مولانا حفظ الرحمان سیوہارویؒ لکھتے ہیں کہ: ''اسلامی حکومت کے سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر فرد خواہ وہ امیر ہو یا فقیر، مرد ہو یا عورت کو اس کی استعداد اور حالت کے مطابق

ان تین بنیادی ضروریات کے حصول کے لئے ہر قسم کی سہولیات پہنچائے، وہ تین چیزیں یہ ہیں: (۱) کھانے پینے کی سہولت، کیوں کہ یہ ہر فرد کی زندگی کا ذریعہ ہے، اور اس کے بغیر زندگی کا تصور ہی نہیں۔ (۲) لباس کی ضرورت، خواہ وہ روئی کا ہو یا کتان (قیمتی کپڑا) یا اُون کا۔ (۳) ازدواجی زندگی کی سہولت، کیوں کہ یہ انسانی نسل کی بقاء کے لئے ضروری ہے''۔ (اسلام کا اقتصادی نظام، ص: ۱۵۳، ندوۃ المصنفین)

دوسری قسم کی ضروریات:

اس قسم میں وہ ضروریات شامل ہیں، جو انسان کو اخلاقی اعتبار سے اور معاشرتی اعتبار سے مضبوط کرتی ہیں، ان میں تعلیم وتربیت، صحت ودیگر مصائب، غیر شادی شدہ اور شادی شدہ افراد کی کفالت، مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی، نومولود بچوں کے وظائف، اپاہج وناکارہ افراد کی کفالت، سراؤں کی تعمیر، خواتینِ اسلام کی کفالت وغیرہ وغیرہ۔ (ان تمام صورتوں کے تفصیلی احکامات کتاب الأموال لأبی عبید، کتاب الخراج لیحیٰ بن آدم القرشی، سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکیم، سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن جوزی، سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی، تاریخ الخلفاء للسیوطی، الطبقات الکبریٰ لابن سعد میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔)

کفالت کس حد تک کی جائے گی؟

اسلام کے نظامِ کفالت عامہ کی حدود کیا ہیں؟ تو جاننا چاہئے کہ جوں جوں اسلامی ریاست وسیع ہوتی جائے گی اور وسائل بڑھتے جائیں گے، اسی طرح کفالت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا، چنانچہ اسلام کے نظامِ تکافل وکفالتِ عامہ کی وسعت، جامعیت، کاملیت وحدود کا اندازہ لگانے کے لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جنہیں خلیفہ راشد تسلیم کیا گیا ہے، کا نمونہ ہمارے سامنے ہے کہ:

"كتب عمر بن عبد العزيز رحمه الله إلى عبد الحميد بن عبد الرحمن، وهو بالعراق: "أن أخرج للناس أعطياتهم" فكتب إليه عبد الحميد: "إني قد أخرجت للناس أعطياتهم، وقد بقي في بيت المال" فكتب إليه: "أن انظر كل من أدان في غير سفه ولا سرف، فاقض عنه" فكتب إليه: "إني قد قضيت عنهم، وقد بقي في بيت مال المسلمين مال" فكتب إليه: "أن انظر كل بكر ليس له مال، فشاء أن تزوجه، فزوّجه وأصدق عنه" فكتب إليه: "إني قد زوّجتُ كل من وجدت، وقد بقي في بيت مال المسلمين مالٌ" فكتب إليه بعد مخرج هذا: "أن انظر من كانت عليه جزية فضعف عن أرضه فأسلفه مايقوي به على عمل أرضه، فإنا لا نريدهم لعام ولا لعامين" قال: قال العمري هذا أو نحوه". (كتاب الأموال لأبي عبيد، الجزء الثالث: صنع عمر بن عبد العزيز في تقسيم الفيء: ١/٣٦٣، دار الهدي النبوي، مصر)

مذکورہ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ: "حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے گورنر کے نام لکھا کہ وہ لوگوں کے عطایا ان کو ادا کرے، گورنر نے جواب لکھا کہ میں نے عوام کے عطایا انہیں ادا کردیئے ہیں، مگر بیت المال کی رقم بچ گئی ہے (اس کا کیا کروں؟) تو آپؒ نے لکھا کہ ایسے مقروضوں کو تلاش کرو جنہوں نے کسی بغیر نادانی کے کاموں کے، یا بغیر فضول خرچی کے قرض لیا ہو، ان کا قرض ادا کردو، گورنر نے لکھا کہ میں نے ایسے تمام

(مقروضوں) کے قرضے ادا کردئے ہیں، پھر بھی مسلمانوں کے بیت المال میں رقم بچ گئی ہے، آپؓ نے لکھا کہ ہر ایسے کنوارے کو تلاش کرو جس کے پاس مال نہ ہو، مگر وہ شادی کرنا چاہتا ہو، اس کی شادی کراؤ، اور اس کا مہر ادا کرو، گورنر نے لکھا کہ میں نے جس کسی کو ایسا پایا ، اس کا نکاح کرادیا ہے، مگر پھر بھی بیت المال میں رقم باقی ہے، آپؓ نے لکھا کہ ہر ایسے ذمی (شخص) کو تلاش کرو جس پر جزیہ ہو، اور (مفلسی کے باعث) اپنی زمین آباد کرنے سے عاجز ہو، اسے قرضہ دو تا کہ وہ اپنی زمین (کی آبادکاری) کا کام کرنے کے قابل ہو جائے، کیوں کہ ہم ان (ذمیوں) کو صرف ایک سال یا دو سال کے لئے ہی نہیں رکھنا چاہتے (بلکہ ان سے حسن وسلوک کا طویل رشتہ چاہتے ہیں)''۔

اس روایت سے خوب اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام کا نظامِ کفالتِ عامہ کتنا جامع اور وسیع ہے کہ وسائل کی دستیابی کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور پھیلتا جاتا ہے، اور پھر رعایا کی ضروریات کی تکمیل کا اندازہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، فرمایا:

''أما والله! لئن بقيت لأرامل أهل العراق لأدعنهن لا يفتقرن إلىٰ أميرٍ بعدي''.(كتاب الخراج ليحيىٰ بن آدم القرشي، باب الرفق بأهل الجزية، رقم الحديث: ٢٤٠، ص: ٧٣، المكتبة العلمية)

فرمایا: ''اللہ (جل شانہ) کی قسم! اگر میں اہلِ عراق کی بیواؤں کے لئے (اگلے سال تک) زندہ رہ سکا، تو انہیں ایسا (غنی) کردوں گا کہ وہ میرے بعد کسی امیر کی اعانت کی محتاج نہیں رہیں گی''۔ اور پھر ان خواہشات کی تکمیل حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت میں ہوئی جس کی طرف ان کے ایک گورنر یحیٰی بن سعید نے اشارہ کیا ہے،

ملاحظہ ہو:

"قال يحيىٰ بن سعيد: بعثني عمر بن عبد العزيز رحمه الله إلى صدقات إفريقية، فاقتضيتها و طلبت فقراء، نعطيها لهم، فلم نجد بها فقيراً ولم نجد من يأخذها مني، قد أغنىٰ عمر بن عبد العزيز الناس، فاشتريت بها رقاباً فأعتقتهم، وولائهم للمسلمين". (سيرة عمر بن عبد العزيز لابن عبد الحكيم: ١/٦٥)

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ''مجھے امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے افریقہ میں صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا، میں نے صدقات وصول کئے اور ایسے لوگوں کی تلاش کی جنہیں صدقات دے سکوں، مگر ایسا شخص نہ ملا جو صدقہ قبول کرے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اہل عراق کو (اتنا) غنی کر دیا تھا (کہ انہیں صدقہ قبول کرنے کی حاجت ہی نہیں رہی تھی) بالآخر میں نے اس صدقہ سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا''۔

یہ انتہاء ہے اسلام کے نظامِ کفالتِ عامہ کی، اس حقیقت سے نظریں چُرا کر مغرب کے قائم کردہ نظاموں کو قائم کرنا، ان کو رواج دینا بالخصوص ''نظامِ انشورنس'' کو اسلام کے اس کامل نظام کے مقابل کھڑا کرنا ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ انسان کا بنایا ہوا نظام شاید قانون ساز کی تجوری کو تو بھر سکتا ہو لیکن ہر ہر انسان کے لئے وہ مفید و معاون ہو، ایسا ہونا محال ہے، اس عالمی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قانونِ الٰہی ہی کارگر ثابت ہو سکتا ہے، کوئی اور نہیں۔

نظامِ انشورنس کی خامیاں جو شرعاً اسے ناجائز قرار دیتی ہیں ان کی تفصیلات موجودہ دور کے تمام اکابرین نے ذکر کی ہیں، جو اس یہودی ذہنیت کے قائم کردہ نظام کے کھوکھلے پن کو پوری طرح واضح کر دیتی ہیں، ملاحظہ ہو:

امداد الفتاویٰ: ۳/۳۱۰، امداد الاحکام: ۳/۴۹۰،

کفایت المفتی: ۸/۸۲، احسن الفتاویٰ: ۷/۲۳،

جدید فقہی مسائل: ۱/۲۶۰، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/۲۵۵،

فتاویٰ حقانیہ: ۶/۲۱۹، فتاویٰ بینات: ۴/۱۳۶،

فتاویٰ دار العلوم دیوبند (امداد المفتین): ۲/۷۰۷،

فتاویٰ محمودیہ "مطبوع جامعہ فاروقیہ": ۱۶/۳۸۷،

نظام الفتاویٰ: ۱/۱۸۳، ۲/۲۸۶،

کتاب الفتاویٰ از مفتی گل حسن صاحب: ۱/۲۷۱،

کتاب الفتاویٰ از مولانا سیف اللہ خالد صاحب: ۵/۳۵۸،

جدید معاملات کے شرعی احکامات: ۱/۱۷۱،

جدید مسائل کا شرعی حل، ص: ۱۰۶،

اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص: ۱۷۳،

اور بیمہ زندگی از مفتی ولی حسن ٹونکیؒ و مفتی محمد شفیع عثمانیؒ۔

☆☆..................☆..................☆☆

باب سوم

''جدید معاشی مسائل اور حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے دلائل کا جائزہ''

از

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہ

کا چوتھا مسئلہ

''کیا تکافل کا نظام اسلامی ہے؟''

اس باب میں پانچ فصلیں ہیں:

فصل اول: ڈاکٹر صاحب زید مجدہ کا مقالہ

فصل دوم: مجوزین حضرات کی طرف سے اس مقالہ کا جواب

فصل سوم: مجوزین حضرات کے جواب پر ڈاکٹر صاحب کے اعتراضات

فصل چہارم: مجوزین حضرات کی طرف سے مکرر جواب

فصل پنجم: ڈاکٹر صاحب کی طرف سے آخری تحریر

فصل اول: حضرت ڈاکٹر صاحب زید مجدہ کا مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''کیا تکافل کا نظام اسلامی ہے؟''

ہمارے ہاں تکافل یعنی اسلامی انشورنس کا جو نظام رائج کیا گیا ہے وہ مولانا تقی عثمانی مدظلہ کا وضع کیا ہوا ہے اور وقف اور اس کے چار قواعد پر مبنی ہے۔

مولانا لکھتے ہیں :

"ومن هنا ظهرت الحاجة إلى أن تكون هذه المحفظة على أساس الوقف فإن الوقف له شخصية اعتبارية في كل من الشريعة والقانون"۔

اس سے یہ ضرورت ظاہر ہوئی کہ انشورنس کا فنڈ وقف کی بنیاد پر ہونا چاہئے کیونکہ وقف کو قانون و شریعت دونوں میں قانونی و اعتباری شخصیت حاصل ہے۔ ''وقف کے چار قواعد یہ ہیں''

(۱) نقدی (روپے) کا وقف درست ہے۔

(۲) واقف اپنے کیے ہوئے وقف سے خود نفع اٹھا سکتا ہے۔

(۳) وقف کو جو تبرع یعنی چندہ کیا جائے وہ وقف کی ملکیت بنتا ہے، خود وقف نہیں بنتا۔

(۴) وقت کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ بالاخر ایسی مد کے لئے ہو جو کبھی ختم نہ ہو

مثلاً فقراء کے لئے ہو۔

''وقف کے ان چار قواعد پر مبنی نظام تکافل کی تفصیلی شکل یہ ہے''

(نوٹ: عربی عبارت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے رسالہ ''تاصیل التأمین التکافلي علی أساس الوقف والحاجته الداعیة إلیه'' کی ہے)

(۱) تکافل یا اسلامی انشورنس کمپنی اپنے سرمایہ کے ایک حصہ سے وقف کا ایک فنڈ قائم کرتی ہے جو اولاً تو فنڈ میں شریک ان لوگوں کے لئے ہوگا جو فنڈ کی شرائط کے مطابق کسی حادثاتی نقصان کا شکار ہوئے ہوں اور بالآخر نیکی کے ختم نہ ہونے والے کاموں کے لئے ہوگا۔ فنڈ کے سرمایہ کو مضاربت پر دیا جائے گا اور حاصل ہونے والے نفع کو فنڈ کے مقاصد میں خرچ کیا جائے گا۔

تنشئ شركة التامين الإسلامي صندوقا للوقف وتعزل جزءاً معلوما من رأس مالها يكون وقفا على المتضررين من المشتركين في الصندوق حسب لوائح الصندوق وعلى الجهات الخيرية في النهاية .... فيبقى هذا الجزء المعلوم من النقود مستثمرا بالمضاربة وتدخل الأرباح في الصندوق لأغراض الوقف۔

(۲) وقف فنڈ کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتا اسکی خود اپنی معنوی شخصیت ہوئی ہے جس کے ذریعہ سے وہ مالک بنتا ہے اور مالک بناتا ہے۔

إن صندوق الوقف لا يملكه أحد، نكون له شخصية معنوية يتمكن بها من أن يتملك الأموال ويستثمرها ويملكها حسب اللوائح المنظمة لذلك۔

(۳) انشورنس میں دلچسپی لینے والے فنڈ کی شرائط کے مطابق اس کو چندہ دے کر فنڈ کے ممبر بن سکتے ہیں

إن الراغبين في التأمين يشتركون في عضوية الصندوق بالتبرع إليه حسب اللوائح۔

(۴) انشورنس پالیسی لینے والے وقف فنڈ کو جو چندہ دیں گے وہ ان کی ملکیت سے نکل کر وقف فنڈ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا خود وقف نہ ہوگا لہٰذا اس رقم کی اس طرح سے حفاظت واجب نہ ہوگی جس طرح وقف رقم کی واجب ہوتی ہے۔

وقف فنڈ کے فائدے کیلئے چندہ کی رقم کو بھی نفع بخش کاروبار میں لگایا جائے گا اور چندے کی اصل رقم کو اس کے منافع سمیت نقصانات کی تلافی کے لئے اور وقف کے دیگر مقاصد کے لئے خرچ کیا جاسکے گا۔

ما يتبرع به المشتركون يخرج من ملكهم ويدخل في ملك الصندوق الوقفي وبما أنه ليس وقفا وبما أنه مملوك للوقف...... فلا يجب الاحتفاظ بمبالغ التبرع كما يجب في النقود الموقوفة، وإنما تستثمر لمصالح الصندوق وتصرف مع أرباحها لدفع التعويضات وأغراض

الوقف الأخرى۔

(۵) فنڈ کا شرائط نامہ ان شرائط کی تصریح کرے گا جن پر پالیسی لینے والے بیمہ کی رقم کے حقدار بنیں گے۔

تنص لائحة الصندوق على شروط استحقاق المشتركين للتعويضات ومبالغ التبرع التي يتم به الاشتراك في كل نوع من أنواع التعيين۔

(٦) پالیسی لینے والے کو بیمہ کی جو رقم ملے گی وہ ان کے چندے کا عوض نہیں ہوگی بلکہ وقف فنڈ کی شرائط کے مطابق اس کے حقدار بننے کی وجہ سے ملے گی۔

ما يحصل عليه المشتركون من التعويضات ليس عوضا عما تبرعوا به وإنما هو عطاء مستقل من صندوق الوقف لدخولهم في جملة الموقوف عليهم حسب شروط الوقف۔

(۷) وقف فنڈ کی ملکیت میں مندرجہ ذیل رقمیں ہوں گی۔

(۱) وقف نقدی سے حاصل ہونے والا نفع

(۲) پالیسی لینے والے کے چندے

(۳) چندوں سے حاصل ہونے والے منافع

اور وقف فنڈ کو اختیار ہے کہ وہ ان رقموں میں وقف فنڈ کی شرائط کے مطابق تصرف کرے، لہٰذا وقف فنڈ خالص نفع میں جو چاہے تصرف کرسکتا ہے، مثلاً:

(۱) وہ اس خالص نفع کو احتیاط کے طور پر اپنے پاس رکھے تاکہ آئندہ سالوں میں ہونے والے اتفاقیہ نقصان اور خسارے سے بچ سکے یا،

(۲) وہ پورے خالص نفع کو یا اس کے ایک حصہ کو فنڈ کے ممبران میں تقسیم کرے۔

لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف فنڈ خالص نفع کے تین حصے کرے۔

(۱) ایک حصہ احتیاط کے طور پر آئندہ پیش آنے والے نقصانات کی تلافی کیلئے رکھ لے۔

(۲) ایک حصہ ممبران میں تقسیم کردے تاکہ مروجہ انشورنس سے فرق ہو سکے۔

(۳) ایک حصہ نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے تاکہ فنڈ کا وقف ہونا بھی واضح رہے۔

حيث إن الصندوق الوقفي مالك لجميع أمواله بما فيه أرباح النقود الوقفية والتبرعات التي قدمها المشتركون مع ما كسبت من الأرباح بالاستثمار فإن للصندوق التصرف المطلق في هذه الأموال حسب الشروط المنصوص عليها في لوائحه۔ فللصندوق أن يشترط علىٰ نفسه بما شآء بشأن مايسمى الفائض التاميني فيجوز أن يمسكه في الصندوق كاحتياطي لما قد يحدث

من النقص في السنوات المقبلة ويجوز أن يشترط على نفسه في النوائح أن يوزعه كلا أو جزءاً منه على المشتركين۔

وربما يستحسن أن يقسم الفائض على ثلاثة أقسام : قسم يحتفظ به كاحتياطي وقسم يوزع على المشتركين لتجلية الفرق الملموس بينه وبين التأمين التقليدي بشكل واضح لدى عامة الناس وقسم يصرف في وجوه الخير لإبراز الصفة الوقفية للصندوق كل سنة۔

(۹) انشورنس کمپنی وقف فنڈ کا انتظام کرے گی اور اس کے مال کو بڑھائے گی اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(۱) انتظام : انشورنس کمپنی وقف کے متولی کی طرح انتظام کرے گی یعنی پالیسی لینے والوں سے چندے وصول کرے گی، حقداروں کے نقصان کا تدارک کرے گی، خالص نفع کو فنڈ کی شرائط کے مطابق تقسیم کرے گی اور فنڈ کے حسابات کمپنی کے حسابات سے الگ رکھے گی ان سب خدمات پر کمپنی اجرت لے گی۔

(۲) مال بڑھانا: اس کیلئے کمپنی وکیل بالاجرت بن کر کام کرے گی یا مضارب کی طرح کام کرے گی اور اپنے حصہ کا نفع لے گی۔

إن شركة التامين التي تنشئ الوقف تقوم بإدارة الصندوق واستثمار أمواله إما إدارة الصندوق فإنما تقوم به

كـمتـول لـلـوقـف فـتـجـمـع بهـذه الصفة التبرعات وتدفع التـعـويـضـات وتتصرف في الفائض حسب شروط الوقف وتـفـصـل حسابات الصدوق من حسابات الشركة فصلا تـامـا وتستـحـق لـقـاء هـذه الخدمات أجرة. وإما استثمار أمـوال الـصـنـدوق فيـمـكـن أن تقوم به كوكيل للاستثمار فتستـحـق بـذلك أجرة أو تعمل فيها كمضارب فتستحق بذلك جزءاً مشاعا من الأرباح الحاصلة بالاستثمار۔

(١٠) اس طرح کمپنی تین طریقوں سے فائدہ حاصل کرے گی۔

(الف) اپنے سرمایہ کے منافع سے

(ب) وقف فنڈ کے انتظام کی اجرت سے

(ج) مضاربت میں نفع کے حصہ سے

وعـلـى هـذا الأساس يمكن أن تكسب الشركة عـوائـد من ثلاث جهات: أولا باستثمار رأس مالها وثانيا بأجرة إدارة الصندوق وثالثا بنسبة من ربح المضاربة۔

"تکافل یا اسلامی انشورنس کے نظام کا حاصل"

اسلامی انشورنس کمپنی اپنے کچھ سرمایہ سے ایک وقف فنڈ قائم کرتی ہے، اس فنڈ کی شرائط میں سے ہے کہ وقف فنڈ کے جن ممبران کا کسی حادثہ میں نقصان ہو جائے اس فنڈ کے منافع میں سے ان کے نقصان کی تلافی کی جائے گی۔ فنڈ کا ممبر بننے کے لئے اس میں ایک خاص چندہ دینا ہوگا جو ہر نوع کی انشورنس کے مطابق ہوگا۔

اسلامی انشورنس کمپنی ایک تو وقف فنڈ کا انتظام کرتی ہے اور اس سے متعلقہ تمام

خدمات کو اجرت پر سرانجام دیتی ہے اور دوسرے وقف فنڈ کے وقف شدہ اور مملوکہ رقموں پر مضارب کے طور پر کام کرتی ہے اور نفع میں سے اپنا حصہ وصول کرتی ہے اس طرح سے کمپنی کو ہونے والی آمدنی کی تین جہتیں ہیں۔

(۱) فنڈ سے متعلقہ خدمات فراہم کرنے پر اجرت

(۲) اپنے سرمایہ کا نفع

(۳) مضاربت میں نفع کا حصہ

''تکافل یا اسلامی انشورنس کے نظام کی بنیادیں باطل ہیں''

ہم نے پوری دیانتداری سے اس نظام کا مطالعہ کیا اور اس پر غور وفکر کیا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ مولانا تقی عثمانی مدظلہ نے اس وقف فنڈ کو جن قواعد پر اٹھایا ہے ہم نے ان قواعد کو اس کا ساتھ دیتا ہوا نہیں پایا مولانا مدظلہ نے ان قواعد کو آپس میں جوڑ کر تکافل کا نظام بنایا ہے حالانکہ غیر منقولہ جائیداد میں وہ اگر چہ جڑتے ہیں لیکن خصوصاً نقدی کے وقف میں ان کا جڑنا محل نظر ہے۔ مولانا مدظلہ نے مروجہ انشورنس کے اسلامی متبادل کی تحصیل میں تسامح سے کام لیا ہے حالانکہ ضرورت تھی کہ معاشیات کی موجودہ ترقی یافتہ دور میں تکافل کے نظام کی بنیادیں خوب مضبوط ہوتیں۔

''پہلی باطل بنیاد''

مولانا تقی عثمانی مدظلہ کا ذکر کردہ پہلا قاعدہ کہ ''نقدی کا وقف درست ہے'' اور دوسرا قاعدہ کہ ''واقف اپنی زندگی میں بلاشرکت غیرے اپنے وقف سے خود نفع اٹھا سکتا ہے'' یہ دونوں ہی اپنی جگہ مسلم ہیں لیکن ان کو جوڑنا درست نہیں مولانا دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

في الذخيرة : إذا وقف أرضا أو شيئا آخر وشرط

الكل لنفسه أو شرط البعض لنفسه مادام حيا وبعده للفقراء
قال أبو يوسف رحمه الله تعالى: الوقف صحيح ومشائخ
بلخ رحمهم الله أخذوا بقول أبي يوسفؒ وعليه الفتوى
ترغيبا للناس في الوقف......ولو قال أرضي هذه صدقة
موقوفة تجري غلتها على ما عشت ثم بعدي على ولدي
وولد ولدي ونسلهم أبدا ما تناسلوا فإن انقرضوا فهي على
المساكين جاز ذلك. كذا في خزانة المفتين.

ذخیرہ میں ہے: جب کوئی شخص کوئی زمین یا کوئی اور شے وقف کرے اور یہ شرط کرے کہ جب تک وہ زندہ ہے وہ کل وقف کو یا اس کے ایک حصہ کو اپنے استعمال میں رکھے گا تو ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ وقف صحیح ہے اور مشائخ بلخ نے ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا اور اسی پر فتوی ہے تا کہ لوگوں کو وقف کرنے میں رغبت رہے......اور اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میری یہ زمین صدقہ وقف ہے اور جب تک میں زندہ ہوں اسکی آمدنی لوں گا اور میرے بعد میری اولاد پر اور اولاد کی اولاد پر اور میری پوری نسل پر جب تک وہ چلے پھر جب میری نسل ختم ہو جائے تو وہ مساکین پر وقف ہے تو جائز ہے خزانۃ المفتین میں ایسے ہی ہے۔

ہم کہتے ہیں:

واقف کا یہ شرط کرنا کہ زندگی بھر وقف کردہ شے سے صرف وہی نفع اٹھائے گا بلکہ اپنی اولاد اور پوری نسل کے لئے بھی یہ شرط کرنا غیر منقولہ جائیداد میں تو متصور ہے کیونکہ وہ

جائیداد خود ابدی و دائمی ہوتی ہے کبھی ضائع نہیں ہوتی جبکہ نقدی اور دیگر منقولہ اشیاء میں ابدیت و دوام کی توقع ہی نہیں ہوتی بلکہ نقدی میں تو خطرہ ہوتا ہے کہ کاروباری نقصان کے باعث اصل رقم کچھ یا کل ہی جاتی رہے جبکہ دیگر منقولہ اشیاء مثلاً بہت سے برتن، کتابیں اور مصاحف وغیرہ تیس چالیس سال کے استعمال سے بوسیدہ ہو جاتی ہیں اور کسی دوسرے کے کام کی نہیں رہتیں۔ علاوہ ازیں وہ کسی حادثے کا شکار بھی ہو سکتی ہیں اور چوری بھی ہو سکتی ہیں اس لئے منقولہ اشیاء میں صرف یہی صورت ممکن ہے کہ آدمی ان کو وجوہ خیر میں فوری وقف کر دے اور شرط کر دے کہ وہ خود بھی دوسرے کے ساتھ نفع اٹھائے گا یا وقف کے منافع کا حقدار ہونے کی وجہ سے دوسرے حقداروں کے ساتھ شریک ہوگا۔

ہماری بات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں

(۱) اگرچہ منقولہ اشیاء میں وقف درست ہے لیکن وہ خلاف قیاس محض استحسان کی وجہ سے درست ہے یعنی حدیث کی وجہ سے، تعامل کی وجہ سے اور فقراء کے لئے نفع ہونے کی وجہ سے۔

لا يجوز وقف ما ينقل ويحول......وقال محمدؒ: يجوز حبس الكراع والسلاح و معناه و وقفه في سبيل الله وأبو يوسفؒ معه فيه على ما قالوا و هو استحسان . والقياس أن لا يجوز لما بيناه من قبل(من شرط التابيد والمنقول لا يتابد).

وجه الاستحسان الآثار المشهورة أي: في الكراع والسلاح وعن محمدؒ أنه يجوز وقف ما فيه تعامل من المنقولات كالفأس والمر والقدوم والمنشار والجنازة

وثيابها والقدر والمرجل والمصاحف وعند أبي يوسفؒ لا يجوز لأن القياس إنما يترك بالنص والنص ورد في الكراع والسلاح فيقتصر عليه ومحمدؒ يقول: القياس قد يترك بالتعامل، كما في الاستصناع وقد وجد التعامل في هذه الأشياء(هدايه).

جب منقولہ اشیاء میں وقف کے ثبوت کی بنیادیں ہی جدا ہیں تو ان میں غیر منقولہ جائیداد کے وقف کے ایک حکم یعنی وقف علی النفس کو جاری کرنا یا تو قیاس سے ہوگا یا استحسان سے ہوگا، استحسان صرف گھوڑے اور ہتھیار میں ہے کسی اور منقولہ شے میں نہیں ہے۔

رہا قیاس تو وہ ممکن ہی نہیں کیونکہ منقولہ وغیر منقولہ میں فارق موجود ہے یعنی یہ فرق ہے کہ غیر منقولہ جائیداد ابدی ودائمی ہوتی ہے اور منقولہ شے عارضی وغیر دائمی ہوتی ہے اور قربت مطلوبہ ومقصودہ تک اس کا پہنچنا مخدوش ومشکوک ہوتا ہے۔

تنبیہ: یہاں ہم نے قربتِ مطلوبہ ومقصودہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقف علی النفس کی صورت میں دو قسم کی قربتیں ذکر کی جاتی ہیں ایک وہ جو وقف ہونے کی وجہ سے لازمی ہے، ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

لأن الوقف يصح لمن يحب من الأغنياء بلا قصد القربة وهو وإن كان لأبد في آخره من القربة بشرط التابيد وهو بذلك كالفقراء ومصالح المسجد. (فتح القدير)

ترجمہ: قربت کے قصد کے بغیر وقف اغنیاء کے حق میں بھی صحیح ہوتا ہے اگر چہ اغنیاء کے بعد ابدیت کی شرط کے ساتھ قربت کے لئے مثلاً اس کا فقراء کے لئے ہونا یا مصالح مسجد کے لئے ہونا

ناگزیر ہے۔

اور ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

وقد يقال إن الوقف على الغني تصدق بالمنفعة لأن الصدقة كما تكون على الفقراء تكون على الأغنياء وإن كان التصدق على الغني مجازا عن الهبة عند بعضهم وصرح في الذخيرة بأن في التصدق على الغني نوع قربة دون قربة. (البحر الرائق: ۵/۱۸۷)

ترجمہ : کہا جاتا ہے کہ غنی پر وقف منفعت کا صدقہ ہوتا ہے کیونکہ صدقہ جیسے فقراء پر ہوتا ہے اسی طرح اغنیاء پر بھی ہوتا ہے اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک غنی پر صدقہ کا مطلب ہبہ و ہدیہ ہوتا ہے اور ذخیرۃ میں تصریح ہے کہ غنی پر صدقہ بھی ایک نوع کی قربت اور نیکی ہے جو فقیر کے ساتھ نیکی سے کم درجے کی ہوتی ہے۔

ہم کہتے ہیں

کہ غنی پر صدقہ والی بات اگرچہ فی نفسہ کمزور ہے لیکن اگر اسکو تسلیم بھی کیا جائے تو اسکا فائدہ فقط اتنا ہوگا کہ وقف علی النفس یا وقف علی الاغنیاء کے وقف ہونے کی ایک توجیہ بن جائے گی لیکن اس کے باوجود بالآخر اسکا ابدی طور پر فقراء پر یا مصالح مسجد پر وقف ہونا لازمی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقراء پر صدقہ قربتِ مقصود ہے جبکہ اغنیاء پر صدقہ اگر قربت بھی ہو تو وہ اس درجہ کی نہیں کہ اس کو آخرت کے اعتبار سے مقصود کہا جا سکے بلکہ عام طور سے امیروں کو دینے کو نیکی سمجھا ہی نہیں جاتا سوائے اس کے کہ ساتھ میں پائی جانے والی اچھی نیت نیکی اور ثواب کا باعث ہوتی ہے۔

اس پر کوئی کہے کہ صاحبِ ہدایہ نے تو اسکو بھی قربت مقصودہ کہا ہے جبکہ وہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید میں لکھتے ہیں:

ولأن مقصوده القربة وفي الصرف إلىٰ نفسه ذلك قال عليه الصلاة والسلام: "نفقة الرجل على نفسه صدقة".

ترجمہ: وجہ یہ ہے کہ واقف کا مقصود قربت و نیکی ہوتی ہے اور اپنے اوپر خرچ کرنا بھی نیکی ہے کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا آدمی کا اپنے اوپر خرچ کرنا صدقہ ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر ضروری خرچ کرتا ہے اور ثواب پاتا ہے لیکن فقط اپنے اوپر خرچ کرنے کے لئے کوئی وقف نہیں کرتا اور نہ ہی اسکا شرعی ثبوت ہے ورنہ تو بہت سے لوگ اپنی بہت سے چیزوں کو وقف قرار دے دیں وقف میں شے اپنی ملک سے نکلتی ہے اور بالآخر فقراء میں یا وجوہِ خیر میں جاتی ہے اور انہی کے اعتبار سے وقف کیا جاتا ہے اور اسکی وجہ سے لوگوں کو وقف علی النفس کی ترغیب دی جاتی ہے کہ اپنا دنیوی فائدہ بھی ہے اور بالآخر ثواب بھی ہے۔

قال الصدر الشهيد: والفتوى على قول أبي يوسفؒ ونحن أيضا نفتي بقوله ترغيباً للناس في الوقف...... وفي الحاوي القدسي المختار الفتوىٰ علىٰ قول أبي يوسفؒ ترغيباً للناس وتكثيراً للخير. (البحر الرائق: ٥/٢٢٠)

ترجمہ: صدر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ فتویٰ امام ابو

یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے اور ہم انہی کے قول پر فتویٰ دیتے
ہیں تا کہ لوگوں کو وقف کرنے میں رغبت ہو ..... حاوی قدسی میں ہے
کہ فتویٰ کے لئے مختار قول امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے تا کہ
لوگوں کو وقف کرنے میں رغبت ہو اور خیر کی صورتیں زیادہ بنیں۔

اس سے واضح ہوا کہ وقف کرنے میں اصل مقصود فقراء یا دیگر وجوہ خیر میں خود اپنی ذات یا اغنیاء اصل مقصد نہیں بلکہ وہ تو بطور وسیلہ ہیں۔

(۲) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو کہ غیر منقولہ جائیداد میں وقف علی النفس کے قائل ہیں منقولہ اشیاء میں سے گھوڑوں کو فی سبیل اللہ وقف کرنے کے بھی قائل ہیں لیکن اسکے باوجود ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ثم إذا عرف جواز وقف الفرس والجمل في سبيل الله فلو وقفه على أن يمسكه مادام حيا إن أمسكه للجهاد، جازله ذلك، لأنه لو لم يشترط كان له ذلك لأن لجاعلي فرس السبيل أن يجاهد عليه وإن أراد أن ينتفع به في غير ذلك، لم يكن له ذلك وصح جعله للسبيل ، يعني: يبطل الشرط ويصح وقفه. (فتح القدير : ٦/ ٢١٩)

ترجمہ: پھر جب گھوڑے اور اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کرنے کا جواز معلوم ہوا تو اگر کسی نے اس شرط کے ساتھ گھوڑے کو وقف کیا کہ وہ اپنی زندگی بھر اسکو اپنے پاس رکھے گا تو اسمیں دو صورتیں ہیں۔

(۱) اگر اس پر خود جہاد کرنے کے لئے اس کو اپنے پاس

رکھا تو یہ اس کے لئے جائز ہے، کیونکہ اگر وہ یہ شرط نہ بھی کرے تب بھی اسکوحق حاصل ہے کہ خود اس پر جہاد کرے۔

(۲) اور اگر وقف کرنے والے کی مراد یہ ہے کہ وہ گھوڑے کو اپنے دیگر ذاتی کاموں میں استعمال کرے تو یہ اسکے لئے جائز نہیں اور اسکا وقف تو صحیح ہوگا لیکن شرط باطل اور کالعدم ہوگی۔

اس جزئیہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ منقولہ اشیاء میں وقف اسی وقت جائز ہوگا جب وہ وجوہ خیر یا فقراء میں فوری اور نقد ہو وقف علی النفس کے بعد نہ ہو اور اگر وقف علی النفس کیا ہو تو وقف تو ہو جائے گا لیکن علی النفس نہ ہوگا۔

لیکن ''تنقیح فتاویٰ حامدیہ'' میں اسکے مخالف دو فتوے ملتے ہیں، اس لئے ہم پہلے ان کو نقل کرتے ہیں پھر ہم اپنی بات کہیں گے۔

(١) في فتاوى الشلبي: وقف البناء دون الأرض صحيح والحكم به صحيح، لكن في وقفه على نفسه إشكال من جهة أن الوقف على النفس أجازه أبو يوسفؒ ومنعه محمدؒ ،وقف البناء بدون الأرض من قبيل وقف المنقول ولا يقول به أبو يوسفؒ بل محمدؒ فيكون الحكم به مركبا من مذهبين وهو لا يجوز لكن الطرطوسيؒ ذكر أن في منية المفتي ما يفيد جواز الحكم المركب من مذهبين وعلى هذا يتخرج الحكم بوقف البناء على نفسه في مصدر في أوقاف كثيرة على هذا النمط حكم بها القضاء السابقون ولعلهم بنوه على ماذكرنا من جواز الحكم

المركب من مذهبين أو على أن الأرض لما كانت متقررة للاحتكار نزلت منزلة ما لو وقف البناء مع الأرض من جهة أن الأرض بيد أرباب البناء يتصرفون فيها بما شاء وا من هدم وبناء وتغيير لا يتعرض أحد لهم فيها ولا يزعجهم عنها وإنما عليهم غلته توخذ منهم كما أفاده الخصاف۔

ترجمہ : فتاویٰ شلبی میں ہے زمین کے بغیر محض عمارت کا وقف صحیح ہے اور اسکا حکم بھی صحیح ہے لیکن اسکو اپنے اوپر وقف کرنے میں اس اعتبار سے اشکال ہے کہ اپنے اوپر وقف کو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جائز کیا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ناجائز کیا ہے زمین کے بغیر محض عمارت کا وقف منقول کا وقف ہے جس کے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قائل نہیں بلکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ قائل ہیں لہٰذا اسکا حکم دو مذہبوں سے مرکب ہوا اور یہ جائز نہیں لیکن طرطوسی نے ذکر کیا کہ منیۃ المفتی میں ایسی بات مذکور ہے جس سے دو مذہبوں سے مرکب حکم جائز معلوم ہوتا ہے اور اسی پر مصر میں بہت سے اوقاف میں ان کے اوپر عمارت کے وقف کا حکم نکلتا ہے گزشتہ قاضیوں نے اسی طرح سے فیصلہ دیا ان کا فیصلہ یا تو اس پر مبنی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ دو مذہبوں سے مرکب حکم جائز ہوتا ہے یا اس پر مبنی تھا کہ زمین احتکار کی تھی یعنی تعمیر کو برقرار رکھنے کے لئے سرکاری زمین کرایہ پر لی گئی تھی۔(الاستحكار عقد إجارة يقصد به استبقاء الأرض مقررة للبناء والغرس أو لأحدهما) ۔(رد

المختار:۴/۴۲۸) تو گویا عمارت زمین سمیت وقف تھی، وجہ یہ تھی کہ وہ زمین عمارت کے مالکان کے قبضہ میں ہوتی ہے اور وہ عمارت میں جو چاہے تصرف کرتے ہیں، گراتے ہیں، بناتے ہیں اور اس میں تبدیلی کرتے ہیں اور حکومت ان سے کچھ تعرض نہیں کرتی پس ان سے زمین کا کرایہ وصول کرتی رہتی ہے اس زمین میں مالکان کی وراثت بھی چلتی ہے اور وارثوں میں تقسیم بھی ہوتی ہے۔

وذكر في أوقاف الخصاص أن وقف حوانيت الأسواق يجوز، إن كانت الأرض بإجارة في أيدي الذين بنوها لا يخرجهم السلطان عنها من قبل، إنا رأيناها في أيدي أصحاب البناء توارثوها وتقسم بينهما يتعرض لهم السلطان فيها ولا يزعجهم وإنما له غلة يأخذها منهم وتداولها خلف عن سلف ومضى عليها الدهور وهي في أيديهم يتبايعونها و يؤجرونها وتجوز فيها وصاياهم ويهدمون بنائها ويعيدونه ويبنون غيره فكذلك الوقف فيها جائز. (رد المحتار: ٤٢٨/٣)

(٢) وفي موضع آخر من الوقف من فتاوى الشلبيؒ ما نصه فإذا كان وقف الدراهم لم يرو إلا عن زفرؒ ولم يرو عنه في وقف النفس شئ فلا يتأتى وقفها على النفس حينئذ على قوله، لكن لو فرضنا أن حاكما حنفيا حكم بصحة وقف الدراهم على النفس هل ينفذ حكمه؟

فنقول: النفاذ مبني على القول بصحة الحكم الملفق وبيان التلفيق أن الوقف على النفس لا يقول به إلا أبو يوسفؒ وهو لا يرى وقف الدراهم ووقف الدراهم لا يقول به إلا زفرؒ وهو لا يرى الوقف على النفس فكان الحكم بجواز وقف الدراهم على النفس حكما ملفقا من قولين كما ترى. وقد مشى شيخ مشايخنا العلامة زين الدين قاسمؒ في ديباجته تصحيح القدوري على عدم نفاذه ونقل فيها عن كتاب "توفيق الحكام في غوامض الأحكام" أن الحكم الملفق باطل باجماع المسلمين، ومشى الطرطوسيؒ في كتابه "أنفع الوسائل" على النفاذ مستندا في ذلك لماراه في منية المفتي.

ترجمہ: "فتاویٰ شلبی" میں ہے ایک اور مقام پر یہ ذکر ہے کہ دراہم کا وقف صرف امام زفر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے جبکہ ان سے اپنے اوپر وقف کے بارے میں کچھ منقول نہیں ہے لہٰذا ان کے قول پر دراہم کا وقف علی النفس نہیں بنتا لیکن اگر ہم فرض کریں کہ کسی حنفی حاکم نے دراہم کے وقف علی النفس کے صحیح ہونے کا حکم جاری کیا تو کیا اسکا حکم نافذ ہوگا؟

ہم کہتے ہیں نافذ ہونا اس پر مبنی ہے کہ تلفیق شدہ حکم کو صحیح مانا جائے اور تلفیق کا بیان یہ ہے کہ وقف علی النفس کے قائل امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو دراہم کے وقف کے قائل نہیں جبکہ دراہم کے وقف کے قائل امام زفر رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو وقف علی النفس کے

قائل نہیں ہیں۔

لہٰذا دراہم کا وقف علی النفس ایسا حکم ہے جو دو قولوں کی تلفیق سے حاصل ہوا ہے علامہ زین الدین قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے دیباچہ تصحیح القدوری میں لکھا ہے کہ وہ حکم نافذ نہ ہوگا وہیں انہوں نے کتاب توفیق الحکام فی غوامض الاحکام سے نقل کیا کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تلفیق شدہ حکم باطل ہوتا ہے جبکہ طرطوسی نے اپنی کتاب انفع الوسائل میں حکم کے نافذ ہونے کو اختیار کیا اس وجہ سے جو منیۃ المفتی میں مذکور ہے۔

پھر علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ حکم کے نافذ ہونے کے حق میں لکھتے ہیں:

- ورأيت بخط شيخ مشايخنا ملا علي التركماني في مجموعته الكبيرة نا قلا عن خط الشيخ إبراهيم السوالاتي بعد هذه المسئلة المنقولة عن فتاوى الشلبي مانصه، أقول وبالجواز أفتى شيخ الإسلام أبو السعود في فتاواه وإن الحكم ينفذ وعليه العمل.

ترجمہ: میں نے اپنے شیخ المشائخ ملا علی ترکمانیؒ کے بڑے مجموعہ میں ان کے ہاتھ کی تحریر دیکھی، انہوں نے شیخ ابراہیم سوالاتیؒ کی تحریر نقل کی، جس میں فتاویٰ شلبی کے ذکر کردہ مسئلہ کے بعد یہ لکھا تھا کہ شیخ الاسلام ابوسعودؒ نے اپنے فتاویٰ میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور یہ کہ حکم نافذ ہے اور اس پر عمل ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے علامہ قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کا کہ تلفیق شدہ حکم مسلمانوں کے اجماع سے باطل ہے یہ جواب دیا کہ

المراد بما جزم ببطلانه ما إذا كان من مذاهب

متبـاينة...... بخلاف ما إذا كان ملفقا من أقوال أصحاب المذهب الواحد.

جس تلفیق شدہ حکم کے بطلان کا انہوں نے جزم کیا، اس سے مراد مختلف مذاہب سے ملا کر بنایا ہوا حکم ہے...... بخلاف اس صورت کے کہ جب تلفیق شدہ حکم ایک ہی مذہب کے اصحاب کا ہو۔

ہم کہتے ہیں

علامہ شلبی رحمۃ اللہ علیہ کے دونوں فتوے محل نظر ہیں۔

(۱) ان کے مذکورہ بالا دونوں ہی فتوے اس پر مبنی ہیں کہ دو قولوں سے ترکیب و تلفیق شدہ حکم جبکہ وہ دونوں قول ایک مذہب کے ہوں، جائز ہوتا ہے۔

تلفیق میں جو دو قول جمع کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) نقدی و منقولات کا وقف جائز ہے امام محمد امام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک

(۲) وقف علی النفس جائز ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تو منقولات اور نقدی میں وقف ہی کے قائل نہیں تو لامحالہ ان میں وقف علی النفس کے بھی قائل نہیں ہیں۔

لہٰذا ان کے نزدیک وقف علی النفس مطلق نہیں ہے مقید ہے غیر منقولات کے ساتھ۔ اس کو مطلق لینے کی کوئی وجہ اور دلیل موجود نہیں۔ اسی طرح امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دراہم کے وقف کا جواز مقید ہے اس کے ساتھ کہ وہ فقراء پر ہو علی النفس نہ ہو، کیونکہ وہ وقف علی النفس کے قائل ہی نہیں ہیں۔

اب دو قول یوں بنے:

(۱) غیر منقولات کا وقف علی النفس جائز ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک۔

(۲) نقدی ومنقولات کا وقف فقراء پر جائز ہے امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں قولوں کو ملائیں تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ غیر منقولات کا وقف علی الفقراء وعلی النفس جائز ہے اور منقولات ونقدی کا وقف صرف علی الفقراء جائز ہے اس سے تلفیق نہیں بنتی کیونکہ تلفیق میں ہر ایک کے حکم کو پورا بعینہ لیا جاتا ہے یہ نہیں کہ مقید کو مطلق لے لیا اور مطلق کو مقید کر کے لے لیا، غرض علامہ طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ کا بتایا ہوا تلفیق شدہ حکم حقیقت میں تلفیق کا نتیجہ ہے جس کے بارے میں ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے۔

(۲) پہلے فتوے میں علامہ شلبی رحمۃ اللہ علیہ نے طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ :

وعلى هذا يتخرج الحكم بوقف البناء على نفسه في مصر في أوقاف كثيرة على هذا النمط حكم بها القضاة السابقون ولعلهم بنوه على ما ذكرنا من جواز الحكم المركب من مذهبين أو على أن الأرض لما كانت متقررة للاحتكار نزلت منزلة مالو وقف البناء مع الأرض.

ترجمہ: اور اسی پر مصر کے بہت سے اوقاف میں ان کے اوپر عمارت کے وقف کا حکم ملتا ہے گزشتہ قاضیوں نے اسی طرح سے فیصلہ دیا شاید ان کا فیصلہ یا تو اس پر مبنی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ دو مذہبوں سے مرکب حکم جائز ہوتا ہے یا اس پر مبنی ہے کہ زمین احتکار کی تھی تو گویا عمارت زمین سمیت وقف کی گئی تھی۔

ہم کہتے ہیں

طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بات کو اس طرح سے ذکر کیا ہے گویا گزشتہ قاضی بہت سے اوقاف میں زمین کے بغیر عمارت کے وقف علی النفس کے جواز کا فیصلہ دیتے رہے ہیں حالانکہ اور حضرات ان کی طرف صرف عمارت کے وقف کے جواز کے فیصلہ کی نسبت کرتے ہیں اس کے وقف علی النفس کے فیصلہ کی نہیں۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

وفي الفتاوى لقاضي خان: وقف بناء بدون أرض، قال هلال: لا يجوز انتهى، لكن في الخصاف ما يفيد أن الأرض إذا كانت متقررة الاحتكار جاز، فإنه قال في رجل وقف بناء داره دون الأرض أنه لا يجوز.

قيل له فما تقول في حوانيت السوق إن وقف رجل حانوتا منها؟ قال: إن كان الأرض إجارة في أيدي القوم الذين بنوها لا يخرجهم السلطان عنها فالوقف جائز...... وتداولها الخلفاء ومضى عليها الدهور وهي في أيديهم...... فأفاد أن ما كان مثل ذلك جاز وقف البنيان فيه وإلا فلا. (فتح القدير : ۲۱۷/٦)

ترجمہ: فتاویٰ قاضی خان میں زمین کے بغیر صرف عمارت کے وقف کے بارے میں ہلال رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ جائز نہیں۔

لیکن خصافؒ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین جب احتکار کے لئے ہو تو جائز ہے کیونکہ خصاف رحمہ اللہ نے کہا کہ جو شخص زمین کے بغیر صرف عمارت کو وقف کرے تو یہ

جائز نہیں۔ان سے پوچھا گیا کہ آپ بازار کی دکانوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جب کوئی ان میں سے کوئی دکان وقف کر دے،انہوں نے فرمایا اگر زمین دکان والوں کے پاس کرایہ یا لیز پر اس طور سے قبضے میں ہو کے وہ جو چاہتے ہیں بناتے ہیں حکومت ان کو وہاں سے کئی کئی زمانوں تک بے دخل نہیں کرتی تو وقف جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو صورت اسکی مثل ہو اس میں بھی وقف جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

ایسے ہی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں خصاف رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔

(۳) پہلے فتوے میں طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ نے زمین کے بغیر عمارت کے وقف علی النفس کے جواز کی دو ممکنہ وجوہات بتائی ہیں اور اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ سابقہ قاضیوں نے اپنے فیصلے کی بنیاد انہی دو میں سے کسی ایک کو بنایا ہے گویا علامہ طرطوسی خود تردد میں ہیں کہ واقعی وجہ کیا ہے؟ اور ان دونوں وجہوں کا حال ہم بیان کر چکے ہیں کہ تلفیق بنتی نہیں اور گزشتہ حکام کا فیصلہ زمین کے بغیر عمارت کے صرف وقف کے جواز کے بارے میں ہے وقف علی النفس کے جواز کے بارے میں نہیں۔

اور اگر وقف علی النفس کے جواز کے حکم کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو وہ احتکار والی زمین میں موجود عمارت کے بارے میں ہے جس کے ساتھ زمین بھی گویا وقف ہی ہوتی ہے لہٰذا خالص منقول میں وقف علی النفس کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

(۴) علامہ شلبیؒ کے دوسرے فتوے کا مدار بھی طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ پر اور ان کے اس قول پر ہے کہ نقدی میں وقف علی النفس حکم ملفق و مرکب ہے اس تلفیق کی حقیقت ہم اوپر بتا چکے ہیں۔

رہی یہ بات کہ طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو علامہ شلبی اور شیخ الاسلام ابو سعود اور

علامہ شامی رحمہم اللہ نے بھی اختیار کیا ہے تو اس سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ جب انہوں نے دلیل ذکر کی ہے تو دلیل کی حقیقت کو دیکھا جائے گا، اشخاص کو نہیں۔

2۔ دوسری باطل بنیاد، یہ سود اور قمار پر مبنی ہے۔

اوپر ہم مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی یہ دو باتیں ذکر کر چکے ہیں، جو دوبارہ ذہن نشین کر لینی چاہئیں۔

١۔إن الوقف له شخصية اعتبارية في كل من الشريعة والقانون.

قانون اور شریعت دونوں ہی میں وقف کو قانونی و اعتباری شخصیت حاصل ہے۔

٢۔ما يتبرع به المستتر كون يخرج من ملكهم ويدخل في ملك الصندوق الوقفي وبما أنه ليس وقفا وإنما هو مملوك للوقف.

پالیسی ہولڈر جو چندہ دیتے ہیں، ان کی ملکیت سے نکل کر وقف فنڈ کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ وقف کی ملکیت بنتا ہے، خود وقف نہیں بنتا۔

مولانا تقی عثمانی کے دار العلوم کراچی کے ایک استاد ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب کچھ وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''وقف چوں کہ خود شخص قانونی ہے اور دیے گئے عطیات براہِ راست وقف کی ملکیت میں چلے جاتے ہیں اور وقف پھر اپنے طے کردہ ضوابط کی روشنی میں کلیمز (Claims) کی ادائیگی کرتا ہے، اس لیے وقف کا نظام زیادہ قابلِ اطمینان ہے''۔

> '' جو لوگ وقف کی بنیاد پر بننے والے پول کو تبرع (Donate) کرتے ہیں وہ تبرع وقف کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی وقف، مثلاً: مدرسہ یا قبرستان کے

لیے چندہ دینا، جب کوئی چیز وقف کی ملکیت میں آ جاتی ہے تو وقف اپنے قواعد کی روشنی میں وقف کے لیے چندہ دینے والے کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ گویا وقف کو چندہ دینے والے کے لیے وقف سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص مثلاً کسی مدرسہ کو چندہ دیتا ہے تا کہ اس میں مسلمانوں کے بچے زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوں ...... تو اس کے لیے بھی جائز ہے کہ اپنے بچے کو بھی اس مدرسہ میں تعلیم دلوائے۔ یہ اس لیے کہ وہ وقف اسی مقصد کے لیے قائم ہوا ہے۔

اسی طرح وقف کی بنیاد پر جو تکافل قائم ہوتا ہے، وہ خاص قسم کے افراد یعنی ایسے افراد کے لیے قائم ہوتا ہے، جنہیں مخصوص قسم کا نقصان پہنچ سکتا ہو، تو اس وقف کو تبرع کے طور پر رقم دینے والا اسی طرح پول سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جیسے مدرسہ یا قبرستان کو چندہ دینے والا۔ (تکافل، انشورنس کا اسلامی طریقہ، ص: ۱۰۰، ۱۰۱)

ہم کہتے ہیں

تکافل میں وقف فنڈ کو چندہ دینے اور اس سے نقصان کی تلافی حاصل کرنے کے اس نظام پر چند اشکال پیدا ہوتے ہیں، جن کو خود صمدانی صاحب نے ذکر کیا ہے اور پھر ان کا جواب دیا ہے۔ لیکن ان کے جواب ناکافی ہیں اور دیے گئے نظام پر اعتراض باقی رہتے ہیں۔ ان کے جواب نقل کرنے کے بعد ہم ان پر اپنا تبصرہ بھی دیں گے۔

پہلا اشکال

(مدرسہ یا کنویں کی) جو مثالیں اوپر ذکر کی گئی ان کے اندر وقف سے فائدہ

حاصل کرنے کے لیے یہ شرط نہیں کہ وقف سے فائدہ اٹھانے والے شخص نے بھی کچھ نہ کچھ عطیہ ضرور دیا ہو، بلکہ مثلاً جب کوئی کنواں وقف ہو گیا تو اب اس سے ہر پیاسا شخص پانی پی سکتا ہے، چاہے اس نے کنویں کو خرید کر وقف کرنے میں کوئی حصہ ملایا ہو یا نہ دیا ہو۔...... (بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خواہ اس نے کنویں کے اخراجات کے لیے چندہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ عبدالواحد) تکافل، ص: ۱۰۲، ۱۰۳۔

صمدانی صاحب کا جواب

''وقف کے اندر اس بات کی شرعاً گنجائش ہے کہ وہ کسی مخصوص طبقے یا افراد کے لیے ہو، مثلاً: کوئی شخص یہ شرط لگائے کہ میں فلاں باغ اس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ اس کا پھل صرف فلاں رشتہ داروں کو یا میری اولاد کو دیا جائے یا میری زندگی میں مجھے ملتا رہے اور میرے بعد فلاں بستی کے فقراء اس سے فائدہ اٹھائیں...

وقف کرنے والا وقف کے مصالح کے پیشِ نظر وقف کے دائرہ کو مخصوص افراد تک محدود رکھنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ تکافل کمپنی میں وقف کی بنیاد پر قائم پول کو اگر بالکل عام کر دیا جائے اور ہر شخص کو اس سے اپنا رسک کور (Risk cover) کرنے کی اجازت دی جائے تو ظاہر ہے کہ اس پول میں ہرگز اس کی گنجائش (Capacity) نہیں، لہٰذا ضروری ہوگا کہ یہ وقف کسی مخصوص طبقے کے لیے ہو، پس اگر واقفین شروع میں یہ شرط لگا دیں کہ اس وقف سے صرف وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو اس وقف کو عطیہ (Donation) دیں، تو یہ قید (Restriction) لگانا جائز نہیں

ہوگا۔ (تکافل، ص: ۱۰۳)

ہم کہتے ہیں

1۔ اشکال یہ تھا کہ اوپر دی گئی مثالوں میں مثلاً: کنویں سے پانی پینے میں یا مدرسہ میں بچوں کو تعلیم دلوانے میں یہ شرط نہیں ہے، کہ آدمی نے وقف کو چندہ دیا ہو جب کہ تکافل کے وقف فنڈ میں یہ شرط ہے، لہٰذا وہ تکافل کی مثالیں نہ بنیں۔ ان کو تکافل کی مثالیں بنانے کے لیے دو میں سے ایک کام کرنا تھا۔

ا۔ یا تو وہ کہتے کہ کنویں سے پانی پینا بھی چندے (یا قیمت) کے ساتھ مشروط ہو سکتا ہے اور مدرسہ میں تعلیم بھی چندے (یا فیس) کے ساتھ مشروط ہو سکتی ہے، جو معاوضہ ہے۔

لیکن صمدانی صاحب نے اس جواب سے اعراض کیا تاکہ وہ عقدِ معاوضہ کے چکر میں نہ پھنس جائیں، کیوں کہ پانی اور تعلیم تو روپے کے عوض میں ہو سکتے ہیں، لیکن انشورنس کا کلیم تو خود روپوں میں ہوتا ہے اور روپوں کے معاوضہ میں کمی بیشی سود ہے۔

۲۔ یا وہ یہ کہتے کہ جب وقف میں اتنی گنجائش نہیں تو جیسے مدرسہ میں طلبہ کی تعداد ایک حد تک ہی ہو سکتی ہے اسی طرح چندے کی شرط کے بغیر کسی مخصوص علاقہ کے لوگوں کو اس کی سہولت مہیا کی جاتی یا پہلے رابطہ کرنے والے سو افراد کو وقف سے فائدہ پہنچایا جاتا۔

لیکن صمدانی صاحب نے اس جواب کو بھی اختیار نہیں کیا، کیوں کہ اس طرح تکافل کمپنی کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

اس لیے صمدانی صاحب نے اپنے دعوے پر جو اشکال ظاہر کیا، اس کے جواب میں بھی صرف دعوے کو ذکر کر دیا۔ ان کا دعویٰ تھا ''کہ وقف کو تبرع کے طور پر رقم دینے والا اسی طرح پول سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، جس طرح مدرسہ یا قبرستان کو چندہ دینے والا'' اور

اس پر ہونے والے اشکال کا جواب یہ دیا کہ'' وقف کرنے والا چندے کی شرط لگا سکتا ہے، لہذا صرف وقف کو چندہ دینے والا ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے''۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ واقف کے شرط لگانے سے ہی شرط وجود میں آتی ہے اور انتفاع مشروط بنتا ہے، لیکن سوال تو یہ ہے کہ ممثل مشروط نہیں ہے، جبکہ ممثل لہ مشروط ہے حالاں کہ ممثل کو بھی مشروط کیا جا سکتا ہے۔ایسا کیوں ہے؟اس کے جواب سے صمدانی صاحب نے کنی کترائی ہے۔

2- صمدانی صاحب کے یہ الفاظ'' اس وقف سے صرف وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں ، جو اس وقف کو عطیہ دیں'' اس پر واضح دلیل ہیں کہ یہ عقد معاوضہ (Commutataive deal) ہے،کیوں کہ وقف فنڈ اور پالیسی ہولڈر آپس میں عوض کے طور پر لین دین کرتے ہیں اور

ا۔عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے،الفاظ کا نہیں۔

۲۔ وقف شخص قانونی ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ'' تم مجھے چندہ دو گے تو حادثہ کی صورت میں ، میں تمہیں تلافی کی رقم دوں گا ، اور تھوڑا چندہ دو گے تو تھوڑی تلافی کروں گا، زیادہ دو گے تو زیادہ کروں گا''۔

اگر مولانا تقی عثمانی مدظلہ اور صمدانی صاحب اس پر اصرار کریں کہ چندہ تو ہدیہ وعطیہ ہے، اس میں عوض کا کوئی معنیٰ نہیں اور پالیسی ہولڈر کے نقصان کی تلافی وقف کی شرط کی وجہ سے ہے،تو یہ عجیب چکر ہے۔ان کی بات اس وقت تو متصور ہو سکتی ہے، جب کوئی محض نیکی کا کام سمجھ کر وقف فنڈ میں چندہ دے اور تکافل یا انشورنس کا اس کو کچھ پتہ نہ ہو یا اس سے آئندہ انتفاع کا واقعی کچھ ارادہ نہ ہو۔ پھر اتفاق سے حادثہ کی صورت میں اس کو تکافل کمپنی نے یا کسی اور نے بتایا کہ تم تو فلاں وقف فنڈ سے نقصان کی تلافی کے حق دار ہو، لیکن جہاں پہلے ہی باہمی معاملہ کے سارے شرائط وضوابط طے کیے جاتے ہوں اور کوئی بھی

عوض کے لالچ یا توقع کے بغیر تکافل کمپنی کے دفتر میں قدم نہ رکھتا ہو اور پوری لکھت پڑھت کی جاتی ہو، وہاں اس قسم کے حیلے بہانے معاملہ کی حقیقت کو نہیں بدلتے، ورنہ تو معاشیات کے اس انتہائی ترقی یافتہ دور کے لوگ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ معاشیات میں اسلام کے پاس سوائے حیلے بہانوں کے اور کچھ نہیں ہے۔

دوسرا اشکال

صمدانی صاحب لکھتے ہیں:

''وقف کا یہ طریقہ بھی ہے کہ جو زیادہ عطیہ دے (یعنی: زیادہ پریمیم دے) وہ اس شخص سے زیادہ نقصان کی تلافی کا حق دار ٹھہرتا ہے، جو اس کے مقابلے میں کم عطیہ دے، کہ وہ کم نقصان کی تلافی کا حق دار ٹھہرتا ہے، گویا عطیہ (پریمیم) کی کمی اور زیادتی کی بنیاد پر نقصان کی تلافی میں کمی زیادتی کرنا اسے عقدِ معاوضہ کے قریب کر دیتا ہے''۔ (تکافل ص:۱۰۲)

صمدانی صاحب کا جواب

پالیسی ہولڈر تبرع (عطیہ) کے طور پر وقف پول میں جو رقوم جمع کرائیں، اس میں کمی زیادتی کی بنیاد پر کم یا زیادہ نقصان کی تلافی اگر پالیسی ہولڈر کا قانونی حق نہ ہو بلکہ وقف کی طرف سے صرف وعدہ ہو تو پھر یہی معاملہ بلا شبہ عقدِ معاوضہ میں داخل نہیں، اس لیے کہ عقدِ معاوضہ میں ہر فریق کو اپنا معاوضہ لینے کا حق حاصل ہوتا ہے، جب کہ یہاں ایسا نہیں ہے۔ (تکافل ص:۱۰۳)

ہم کہتے ہیں

تکافل کمپنی کے وقف فنڈ کی شرائط میں یہ بات گذر چکی ہے کہ وقف سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اس وقف فنڈ کو چندہ وعطیہ دیں گے اور ضابطہ ہے کہ "شرط الواقف کنص الشارع" یعنی واقف کا شرط لگانا ایسا ہے جیسے شارع کا فرمان (تکافل، ص: ۱۰۰) جس کا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہے کہ واقف کی شرط کو قانونی حیثیت حاصل ہے، محض اخلاقی نہیں اور اس کی بنیاد پر چندہ و پریمیم ادا کرنے والے وقف سے اٹھانے کے قانونی حق دار ہوئے اور وہ قانونی بنیادوں پر اپنا حق وصول کر سکتے ہیں۔

جناب صمدانی صاحب بھی ان کے قانونی حق کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس صورت میں وہ عجیب تاویل کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

> ''لیکن اگر تبرع کی کمی اور زیادتی کی بنیاد پر نقصان کی تلافی میں کمی اور زیادتی پالیسی ہولڈرز کا قانونی حق ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:
>
> پہلی صورت یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر اس بنیاد پر اپنے قانونی حق کا دعویٰ کرے کہ اس نے فلاں وقت وقف پول کو اتنی رقم کا پریمیم دیا تھا، جس کی وجہ سے اس کے نقصان کی تلافی کرنا وقف کے ذمہ لازم ہے۔ یہ صورت یقیناً ناجائز ہے، کیوں کہ یہ بات اسے عقد معاوضہ میں داخل کر دیتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ ساری خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جو کمرشل انشورنس میں موجود ہیں۔
>
> دوسری صورت یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر اپنے دیے گئے تبرع کی بنیاد پر نقصان کی تلافی کا دعویٰ نہ کرے بلکہ وقف کے اپنے

طے شدہ قواعد وضوابط کو بنیاد بنا کر اس بات کا دعویٰ کرے کہ میں ان
قواعد کی بنیاد پر وقف کی طرف سے تلافی نقصان کا حق دار ہوں.....
پالیسی ہولڈر شرعاً اس طریقے پر اپنا قانونی حق استعمال کر سکتا ہے اور
اس کا یہ قانونی حق اس صورت کو عقدِ معاوضہ میں داخل نہیں کرتا۔
(تکافل ص:۱۰۴،۱۰۵)

ہم کہتے ہیں

جب واقف کی شرائط کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور پالیسی لینے کو قانونی حیثیت حاصل ہے تو یہ کہنا بھی درست ہے کہ وقف پر لازم ہو جاتا ہے کہ شرط پوری ہونے پر وہ پالیسی ہولڈر کے نقصان کی تلافی کرے اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ پالیسی ہولڈر کو عقلاً و شرعاً حق ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی طریقے سے اپنا قانونی حق حاصل کرے خواہ صمدانی صاحب کی ذکر کردہ پہلی صورت سے یا ان کی ذکر کردہ دوسری صورت سے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ واقف کی شرائط کا تعلق دو چیزوں سے قائم ہوا ہے ایک پالیسی ہولڈر کے چندہ یا پریمیم ادا کرنے سے اور دوسرا وقف کی طرف سے تلافی نقصان سے۔ اس لیے پالیسی ہولڈر کو اختیار ہے کہ وہ ان دو میں سے کسی بھی تعلق کا حوالہ دے کر تلافی کا مطالبہ کرے۔ غرض وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ میں نے فلاں وقت وقف پول کو اتنی رقم کا پریمیم دیا تھا، جس کی وجہ سے میرے نقصان کی تلافی کرنا وقف کے ذمہ لازم ہے اور یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وقف کے قواعد وضوابط کی بنیاد پر میں نقصان کی تلافی کا حق دار ہوں اور دونوں صورتوں میں وقف فنڈ اور پالیسی ہولڈر کے درمیان عقد معاوضہ ہونے میں کچھ اشکال نہیں رہتا۔

معاملہ کے عقدِ معاوضہ ہونے پر مندرجہ ذیل دو باتیں بھی واضح دلیل ہیں:

ا۔ چندے کی کمی وزیادتی کی بنیاد پر نقصان کی تلافی کی کمی وزیادتی۔

۲۔ پریمیم ادا کرتے وقت پالیسی ہولڈر کی یہ نیت ہوتی ہے کہ اسے اس کے بدلے کچھ نہ کچھ ملے، بلکہ اگر اس کا نقصان زیادہ ہو تو زیادہ ملے اور اس پر کھلا قرینہ یہ ہے کہ خواہ اسلامی انشورنس ہی ہو، آدمی اسی غرض سے کراتا ہے اور ساری لکھت پڑھت کرتا ہے کہ اس کے نقصان کی تلافی ملے۔

صمدانی صاحب کا اس کے عقدِ معاوضہ ہونے سے انکار کرنا اور انکار کرنے کی وجہ

صمدانی صاحب معاملہ کے عقدِ معاوضہ ہونے کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''وقف کو چندہ دینا ایک مستقل معاملہ ہے اور وقف فنڈ کے قواعد کے مطابق چندہ دینے والے کا نقصان کی تلافیکا حق دار ٹھہرنا بالکل دوسرا معاملہ ہے''۔ (تکافل،ص:۱۰۶)

عقدِ معاوضہ کی نفی کرنے کی خاطر صمدانی صاحب پالیسی ہولڈر اور وقف فنڈ کے درمیان مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس فنڈ کے اندر وہ (پالیسی ہولڈرز) اس لیے رقم جمع کرا رہا ہوتا ہے کہ اس پول میں موجود افراد (یعنی دیگر پالیسی ہولڈرز) میں سے اگر کسی کو مالی نقصان ہو تو اس کی رقم کو بھی اس نقصان کے پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکے اور مجموعی طور پر اگر اسے بھی کوئی نقصان ہو تو دوسرے شرکاء بھی اس پر تیار ہیں کہ ان کے پریمیم سے اس کا نقصان پورا کیا جائے، کیوں کہ مجھے نقصان کا یقین نہیں اور نہ ہی دوسرے افراد کو یقین ہے، بلکہ نقصان کے احتمال کی بنیاد پر یہ رقم جمع کی جارہی ہے''۔ (تکافل،ص:۱۱۴)

''پالیسی ہولڈر کے نقصان کو پورا کرنے کی ذمہ داری پالیسی ہولڈر کے تبرعات سے وجود میں آنے والے حوض (پول) پر ہوتی ہے، (تکافل) کمپنی یہ کہتی ہے کہ یہ پول تمہارا نقصان پورا کرے گا، اگر اس کے اندر نقصان پورا کرنے کی گنجائش ہوئی تو آپ کے نقصان کی تلافی کردی جائے گی اور اگر پول کے اندر گنجائش نہ ہوئی تو یہ نقصان پورا نہیں کیا جائے گا''۔ (تکافل ص:۱۱۵)

ہم کہتے ہیں

صمدانی صاحب کی یہ بات کئی وجوہ سے محل نظر ہے۔

۱۔صمدانی صاحب نے پالیسی ہولڈر کے رقم جمع کرانے کی جو تاویل کی ہے وہ محض ان کی اختراع ہے، جو ان کی دیگر تصریحات کے خلاف ہے۔ اس بات کی تصریح پہلے گذر چکی ہے کہ پالیسی ہولڈر کی جمع کرائی ہوئی رقم وقف فنڈ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر کا اب اس رقم سے کوئی تعلق نہیں رہا اور اب وقف فنڈ پر ہے کہ وہ اس کو اپنے قواعد وضوابط کے مطابق خرچ کرے۔ لیکن صمدانی صاحب اس کو وقف فنڈ کے ملکیتی ہونے کے بجائے اس کے پاس امانت ہونے کو بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''اس پول میں موجود افراد میں سے اگر کسی کو مالی نقصان ہو تو اس کی رقم کو بھی اس نقصان کے پورا کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکے''۔

اسی طرح وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

''امانت کا عقد، جس کی وجہ سے پالیسی ہولڈر کی رقم کمپنی

(یا وقف فنڈ کے پاس) بطورِ امانت آجاتی ہے''۔ (تکافل، ص:
(۱۱۴

2۔تکافل کمپنی کے ساتھ پالیسی ہولڈر جو بھی معاملہ کرتا ہے وہ درحقیقت ایک مکمل معاملہ ہے، یعنی یہ کہ پالیسی ہولڈر یہ معلوم کر کے کہ وقف فنڈ سے اس کے موہوم نقصان کی تلافی ملتی ہے، وہ اس کے لالچ میں تکافل کمپنی سے یک بارگی مکمل معاملہ کرتا ہے، لیکن صمدانی صاحب اس معاملہ کے حصے بخرے کرتے ہیں اور ہر حصہ کی علیحدہ علیحدہ تاویل کر کے سیدھا دکھانے کے درپے ہیں۔

3-اس بات کو پیشِ نظر رکھا جائے کہ وقف فنڈ خود ایک شخصِ قانونی ہے اور وقف فنڈ کو جو چندہ دیا جائے وہ اس کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے، تو صمدانی صاحب کی مذکورہ بالا عبارتوں کا حاصل یہ ہوگا کہ وقف فنڈ زید سے کہتا ہے کہ تم مجھے اتنا چندہ دو تو میں بشرط موجودگی وسائل تمہارے ممکنہ نقصان کی تلافی کروں گا اور زید یہ جانتے ہوئے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کا نقصان ہو اور ہوسکتا ہے کہ نہ ہو اور یہ بھی جانتے ہوئے کہ وقف فنڈ کی ملکیت میں تلافی کے لیے رقم ہوسکتا ہے، ہو اور ہوسکتا ہے، نہ ہو، چندے کی رقم وقف فنڈ میں جمع کراتا ہے۔

صمدانی صاحب کی بات کا خلاصہ نکالیں تو یہ نکلے گا کہ زید موہوم تلافی کی خاطر وقف فنڈ کو چندہ دیتا ہے۔ یہ بات عقدِ معاوضہ کے منافی بھی نہیں اور علاوہ ازیں قمار ہونے پر بھی صریح دلیل ہے۔

4-ایک اور پہلو جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ پالیسی ہولڈر کی جانب سے وقف فنڈ کو عطیہ و چندہ دیا جاتا ہے، لیکن شرطِ فاسد کے ساتھ یعنی موہوم تلافی کی شرط کے ساتھ۔ اب کوئی کہے کہ ہدیہ و چندہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ خود شرطِ فاسد باطل ہو جاتی

ہے اور اس سے یہ ہوتا ہے کہ چندہ دینے کی بالکل مستقل اور غیر مشروط حیثیت بن جاتی ہے، اس لیے پالیسی ہولڈر اس کی بنیاد پر تلافی نقصان کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور وقف فنڈ کی جانب سے نقصان ایک بالکل الگ اور مستقل معاملہ ہے. جو واقف کی شرائط کے تحت ہے۔

ہم کہتے ہیں اتنی بات تو درست ہے کہ پالیسی ہولڈر کا دیا ہوا چندہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوگا اور وہ موہوم تلافی کا حق دار نہیں ہوگا، لیکن اگر وہ اس کے باجود نقصان کی تلافی وصول کرتا ہے، تو اب یہ سارا معاملہ ایک ہو کر فاسد ہو جائے گا، جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے، جب زید بکر کو کہے کہ میں تمہیں ایک ہزار روپے کا قرض اس شرط سے دیتا ہوں کہ تم مجھے اس کے گیارہ سو واپس کرو گے۔ بکر نے ایک ہزار وصول کر لیا، اس حد تک تو معاملہ صحیح ہوگا اور شرطِ فاسد خود باطل ہو جائے گی، لیکن اگر زید نے گیارہ سو واپس کیے اور زید نے وہ قبول کر لیے تو یہ سب معاملہ ایک ہو کر سود ہو جائے گا اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ زید کا قرض دینا بھی درست ہوا اور شرطِ فاسد باطل ہو گئی تھی، لہٰذا بکر نے سو روپے زائد واپس کیے وہ اس شرط کے تحت نہیں آتے بلکہ وہ ایک نیا ہبہ ہے۔

حاصل کلام یہ کہ پالیسی ہولڈر اور وقف فنڈ کے درمیان عقدِ معاوضہ واقع ہے اور تکافل یا اسلامی انشورنس کے تحت یہ معاملہ سود، قمار اور غرر پر مشتمل ہے۔

تکافل سے ہٹ کر مروجہ انشورنس میں بھی یہی تین خرابیاں جو خود صمدانی صاحب یوں ذکر کرتے ہیں۔

مروجہ انشورنس کے اندر بنیادی طور پر تین خرابیاں موجود ہیں:

۱۔ ربا(Interest)

۲۔قمار(Gambling)

۳۔غرر(Uncertainty) (تکافل،ص:۱۲۰)

صمدانی صاحب چونکہ تکافل کے عقدِ تبرع ہونے پر پختہ ہیں، اس لیے وہ اس کو ہر مرض کی دوا سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں:

> مروجہ انشورنس میں ہونے والا معاملہ عقدِ معاوضہ تھا، جس کی وجہ سے درج بالا خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ اسلامی انشورنس میں اسے عقدِ تبرع میں تبدیل کر دیا گیا ہے، جس سے ربا (سود) کی خرابی تو بالکل ختم ہوگئی، کیوں کہ سود اسی صورت میں پایا جاتا ہے جب دو چیزوں کی تبدیلی عقدِ معاوضہ کی بنیاد پر ہو، جب معاملہ عقدِ معاوضہ کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ کوئی شخص اپنی طرف سے تبرعاً زیادہ دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ شرعاً پسندیدہ ہے، مثلاً کسی شخص نے آپ کو سو روپے ہدیے کے طور پر دے دیے، پھر کسی موقع پر آپ کی اس سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دو سو روپے ہدیے کے طور پر دے دیے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہوگا اور اسے ربا نہیں کہا جائے گا، کیوں کہ اس نے آپ کو سو روپے اس شرط پر نہیں دیے تھے کہ آپ اسے بڑھا کر واپس کریں گے......
>
> باقی دو خرابیں غرر اور قمار کی ہیں۔ ان دونوں کی بنیاد غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) پر ہے۔ ظاہر ہے کہ غیر یقینی کیفیت تکافل کے اندر بھی موجود ہے، کیوں کہ اس میں پالیسی ہولڈر ایک ایسے نقصان کی تلافی کے لیے پریمیم جمع کرواتا ہے، جس کا پایا جانا غیر یقینی ہے، کہ معلوم نہیں پالیسی ہولڈر کو وہ نقصان پیش آئے گا یا نہیں؟

لیکن اسلامی تکافل کے اندر اس غیر یقینی کیفیت سے عقد ناجائز نہیں ہوتا، کیوں کہ اس کی بنیاد عقدِ تبرع پر ہے اور تبرعات کے اندر غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) کا پایا جانا ممنوع نہیں، جب کہ عقودِ معاوضہ کے اندر ممنوع ہے۔

اس کو بذریعہ مثال یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ مثلاً میرے پاس ایک تھیلی میں کچھ رقم ہے، میں کسی دکاندار سے ایک منکھا خریدتا ہوں اور اس سے کہتا ہوں کی اس کی قیمت وہ رقم ہے جو اس تھیلی کے اندر ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے، کیوں کہ دکاندار کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس میں کتنی رقم ہے، لہٰذا اس کے اعتبار سے قیمت مجہول (غیر معلوم) ہے اور بیع کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ بیچی جانے والی چیز کی قیمت فریقین کو معلوم ہو، لیکن اگر میں کسی طالبِ علم سے یہ کہتا ہوں اگر آپ امتحان میں اول آ گئے تو جو رقم اس تھیلی میں ہے وہ تمھیں انعام کے طور پر دوں گا، تو یہ صورت جائز ہے، حالاں کہ یہاں بھی جہالت اور غیر یقینی (Uncertainty) موجود ہے، لیکن چوں کہ یہ عقدِ تبرع ہے، اس لیے یہاں جہالت اور غیر یقینی کیفیت (Uncertainty) کا پایا جانا ممنوع نہیں۔ اس طرح جب ہم نے انشورنس کا ڈھانچہ بدل دیا تو یہاں پر بھی غیر یقینی کیفیت پائے جانے کے باوجود معاملہ ناجائز نہیں ہوگا۔ (تکافل، ص: ۱۲۱، ۱۲۲)

ہم کہتے ہیں

صمدانی صاحب نے یہاں بھی وہی کام کیا ہے کہ معاملہ کے حصے بخرے کیئے اور پھر ہر حصہ کی جائز ہونے کو مثال سے ذکر کر دیا، معاملہ کی جو مجموعی صورت ہے، اس پر نظر کرنے پر وہ آمادہ ہی نہیں ہیں، حالاں کہ یہاں اصل تو مجموعی صورت ہی ہے۔

دیکھئے صمدانی صاحب نے تبرع کی یہ مثال دی ہے کہ کسی شخص نے آپ کو سو روپے ہدیے کے طور پر دیے، پھر کسی موقع پر آپ کی اس سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دوسو روپے ہدیے کے طور پر دیے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ ہوگا۔ اس مثال سے صمدانی صاحب نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ تکافل میں بھی تبرع ہوتا ہے اس لیے وہ جائز ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ صمدانی صاحب کی یہ مثال تکافل کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ اس کی مثال تو یوں بنتی ہے کہ زید بکر سے کہے کہ تم مجھے سو روپے ہدیہ کرو گے، تو وسائل ہونے کی صورت میں کبھی تمہیں ضرورت پڑی تو میں تمہیں دس ہزار روپیہ دوں گا۔ اس کو کون محض عقدِ تبرع کہے گا؟ اور عقدِ معاوضہ نہ سمجھے گا۔ پھر جب کہ وقف فنڈ اور تکافل کمپنی قانونی حیثیت بھی رکھتے ہیں اور ان کے قواعد وضوابط اور اغراض ومقاصد کو قانونی حیثیت حاصل ہے تو یہ پختہ عقدِ معاوضہ بنے گا۔

عملی خرابیاں

۱۔ کمپنی خود ہی رب المال اور خود ہی مضارب بنتی ہے۔

تکافل کمپنی لکھتی ہے۔

The Company shall act a Mudarib for

the purpose of managing the

investment of Participant's contribution. As such, the Company stands entitled to a share in the investment income there of as Mudarib.

ترجمہ: شریک یعنی پالیسی ہولڈر کے چندے سے حاصل ہونے والے سرمایہ میں تکافل کمپنی مضارب کی حیثیت سے کام کرے گی اور اس طرح سے حاصل ہونے والے نفع میں مضارب کی حیثیت سے حصہ دار ہوگی۔

ہم کہتے ہیں

کمپنی جو خود واقف بھی ہے اور متولی بھی ہے، وہ خود مضارب نہیں بن سکتی، کیوں کہ مضاربت دو فریقوں کے درمیان ایسا عقد ہوتا ہے، جس میں ایک کی جانب سے مال ہوتا ہے اور دوسرے کی جانب سے عمل ہوتا ہے۔ چوں کہ کمپنی وقف فنڈ کی متولی ہے۔ لہٰذا وہ رب المال ہے اور وہ مضارب نہیں بن سکتی۔

اگر یہ کہا جائے کہ کمپنی تو پالیسی ہولڈروں کے سرمایہ میں مضارب کے طور پر کام کرتی ہے، لہٰذا رب المال تو پالیسی ہولڈر ہوئے۔ تو یہ صحیح نہیں، کیوں کہ اوپر یہ ذکر ہو چکا ہے کہ پالیسی ہولڈر جو چندہ دیتے ہیں وہ وقف کی ملکیت ہوتا ہے اور کمپنی اس کی بھی متولی ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں کمپنی نے وقف فنڈ کے لیے جو سرمایہ فراہم کیا ہے اس میں بھی تو کمپنی ہی مضاربت کے طور پر کام کرے گی تو کمپنی خود ہی رب المال اور خود ہی مضارب بنی، جو صحیح نہیں۔

اس کے جواب کے طور پر مولانا تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں:

والظاهر أنه لا مانع من كونها متولية للوقف ومضاربة في أموالها في وقت واحد بشرط أن تكون المضاربة بعقد منفصل وبنسبة من الربح لا تزيد عن نسبة ربح المضارب في السوق فإن الفقهاء اجازوا لناظر الوقف أن يستأجر أرض الوقف بأجرة المثل عند بعضهم وبما يزيد علىٰ أجرة المثل عند الآخرين. (الفتاوىٰ الهندية: ٤٢١/٢). فيمكن أن تقاس عليه المضاربة وإن لم أره في كلام الفقهاء بصراحة.

ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ کمپنی ایک ہی وقت میں وقف فنڈ کی متولی بھی ہو اور اس کے اموال میں مضارب بھی ہو، اس سے کوئی مانع نہیں ہے، جب کہ ایک تو مضاربت کا عقد جدا جدا ہو اور دوسرے کمپنی کا نفع میں حصہ مارکیٹ ریٹ سے زیادہ نہ ہو، کیوں کہ فقہاء نے وقف کے ناظر کے لیے جائز بتایا ہے کہ وہ وقف کی زمین کو خود اجرتِ مثل یا اس سے زائد کے عوض کرایہ پر لے لے۔ اس پر مضاربت کو قیاس کیا جا سکتا ہے، اگرچہ اس کی تصریح مجھے فقہاء کے کلام میں نہیں ملی۔

ہم کہتے ہیں

یہ بات غور طلب ہے کہ فقہاء نے ناظر کے لیے وقف زمین کو اجرت پر لینے کے جواز کی تصریح کی اور ناظر کے مضارب بننے کے جواز کی تصریح نہیں کی۔ آخر ان دونوں میں کچھ فرق ہوگا تب ہی تو فقہاء نے بظاہر فرق رکھا ہے۔

اور وہ فرق یہ ہے کہ وقف اراضی کوئی غصب کر لے تو اگر چہ وہ اجرت پر دینے کے لیے نہ ہو، تب بھی غاصب کو اس کی اجرتِ مثل دینی ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر ناظر یا متولی وقف کی اراضی کو خود اجرت پر لے لے تو اگر چہ وہ معروف طریقے پر اجارہ نہیں ہے، لیکن اجرتِ مثل واجب ہونے سے اس معاملہ کو مجازاً اجارہ کہہ دیا۔ مضاربت میں حقیقی یا مجازی کوئی بھی صورت نہیں بنتی، اس لیے وہ ایک متبادل صورت نہیں بنتی، اس لیے مضاربت کو اجارہ پر قیاس کرنا ممکن نہیں ہے۔

مولانا تقی عثمانی مدظلہ بھی اس قیاس پر پوری طرح مطمئن نہیں ہیں، اس لیے وہ ایک متبادل صورت بھی بتاتے ہیں، اگر چہ تکافل کمپنی نے عملاً پہلی ہی صورت کو اختیار کیا ہے۔ مولانا مدظلہ متبادل صورت یہ لکھتے ہیں:

ولئن كان هناك شك في جمع الشركة بين تولية الوقف وبين المضاربة فيمكن أن يكون أحد مديري الشركة أو أحد موظفيه متولياً للوقف بصفته الشخصية ويستاجر الشركة لإدارة الصندوق بأجر ويدفع إليها الأموال للاستثمار على أساس المضاربة.

ترجمہ: اگر کمپنی کے بیک وقت متولی وقف ہونے اور مضارب ہونے میں کچھ شک ہو تو جو متبادل صورت ممکن ہے وہ یہ ہے کہ کمپنی کے ڈائریکٹروں یا منیجروں میں سے ایک اپنی ذاتی شخصیت کے اعتبار سے وقف کا متولی ہو جائے اور وقف فنڈ کے انتظام کے لیے کمپنی کو اجرت پر لے لے اور وقف کے اموال بھی مضاربت کی بنیاد پر کمپنی کے حوالے کردے۔

ہم کہتے ہیں

یہ تو پہلے سے بدتر صورت ہے اور آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا کا مصداق ہے،

کیوں کہ

مولانا لکھ چکے ہیں کہ:

"تنشئ شركة التامين الإسلامي صندوقاً للوقف
ونعزل جزءاً معلوماً من رأس مالها يكون وقفاً"
''اسلامی انشورنس کمپنی اپنے سرمایہ کے ایک حصہ سے وقف فنڈ قائم کرتی ہے''۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے کمپنی قائم ہوتی ہے اور وہ اپنے سرمایہ سے وقف فنڈ کو قائم کرتی ہے۔

پھر مولانا مدظلہ کے بقول کمپنی ایک شخص قانونی ہے، جس میں ڈائریکٹران کی ذاتی شخصیت گم ہو جاتی ہے اور تمام حقوق و ذمہ داریوں کی نسبت کمپنی کے شخصِ قانونی کی طرف کی جاتی ہے، لہٰذا کوئی ڈائریکٹر کمپنی کا جو بھی کام کرے گا، اس کو درحقیقت کمپنی ہی کا کرنا کہیں گے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ کمپنی وقف فنڈ قائم کر کے واقف بن گئی۔

اب مولانا کہتے ہیں کہ ''ایک ڈائریکٹر اپنی ذاتی شخصیت کے اعتبار سے وقف فنڈ کا متولی بن جائے''۔ لیکن جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب کمپنی کے کام کے اعتبار سے ڈائریکٹر کی ذاتی شخصی کمپنی میں گم ہے اور اس کا کرنا کمپنی کا کرنا ہے تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ واقف بننے کے بعد کمپنی اپنے آپ کو ایک نئے معاملہ کے ساتھ متولی بناتی ہے۔ پھر مولانا مدظلہ کی اس تجویز کے مطابق کمپنی ہی خود سے انتظام کے لیے اجرت پر معاملہ بھی کرتی ہے۔ غرض مولانا مدظلہ کی باتوں سے وہی الزام ثابت ہوا جو ہم نے ان پر عائد کیا تھا کہ مولانا نے

کمپنی کو رب المال اور مضارب دونوں ہی بنادیا، جو جائز نہیں۔

2-وقف یا اس کی ملکیت کو ختم کرنا

تکافل کمپنی کہتی ہے:

The Policy may at any time terminated at the option of the Company on 14 day's notice to that effect being given to the participant..........in that case, the Participant shall be given an amount equivalent to a raateable pro portion of the contribution for the un expiredPeriod of policy from the date of such cancellation. This policy may also be terminated at any time at the request of the participant, in wich case the participant will be paid an amount equivalent to the actual contribution made initially by him , her , less the amount worked as per the following scale.

ترجمہ: یہ تکافل پالیسی کمپنی کے اختیار پر کسی بھی وقت ۱۴ دن کے

نوٹس پر ختم کی جا سکتی ہے......اس صورت میں پالیسی ہولڈر کو بقیہ
مدت کی نسبت سے چندے کی جتنی رقم بنتی ہے واپس کی جائے گی،
پالیسی ہولڈر کی درخواست پر بھی یہ پالیسی ختم کی جا سکتی ہے اور اس
صورت میں دیے گئے سکیل کے مطابق جتنی رقم بنتی ہے وہ منفی کر
کے اس کے چندے کی باقی رقم واپس کی جائے گی۔

ہم کہتے ہیں

چندے کی رقم وقف کی ملکیت ہے اور شریعت کی رو سے اس کی مالک کو واپسی بالکل جائز نہیں، نہ کُل کی، نہ جزو کی۔ اس رقم کو وقف رقم کے نفع کی طرح صرف وقف کے مصالح و مقاصد میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔ ایسی کوئی صورت متصور نہیں ہے کہ متولی وقف کی ملکیت مالک کو واپس کر دے یا چندہ دہندہ اس کو واپس لے لے۔

(جدید معاشی مسائل اور حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے دلائل کا جائزہ، مسئلہ نمبر ۴: کیا تکافل کا نظام اسلامی نظام ہے؟ ص: ۹۲ تا ص: ۱۳۲)

فصل دوم:

مجوزین حضرات
(دار العلوم کراچی کے دو حضرات:
مفتی عصمت اللہ صاحب اور مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب)
کی طرف سے
حضرت ڈاکٹر صاحب زید مجدہ کے مقالہ کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداومصلیا

تکافل سے متعلق ذکر کردہ اشکالات کا جواب دینے سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ہمارے ہاں تکافل یعنی اسلامی انشورنس کا جونظام رائج ہے، وہ تنہا حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی رائے پر قائم نہیں ہوا، بلکہ اس کا تصور آج سے اکتالیس سال پہلے ۱۳۸۴ھ میں پاکستان کے مستند علماء کرام اور مفتیانِ عظام پر مشتمل مجلس ''مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ'' نے پیش کیا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی کتاب ''بیمہ زندگی'' میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

اس متبادل[مراد: اُس خاکے] کے صحیح ہونے [نہ کہ موجودہ مروجہ نظام بمع اپنی تفصیل] پر دارالعلوم کے علماء کے علاوہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مفتی محمد ولی حسن ٹونکیؒ، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کے تصدیقی دستخط بھی موجود ہیں، (بیمہ زندگی، ص: ۲۷)

نیز! عالمِ اسلام کے بہت سے جید علماء کرام بھی اس نظام کو درست قرار دے چکے ہیں، ان حالات میں یہ کہنا کہ تکافل کا موجودہ نظام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا وضع کیا ہوا ہے، ایک خلاف واقعہ بات ہے۔

اس وضاحت کے بعد اب ہم آپ کے اشکالات کا جواب تحریر کرتے ہیں۔

موضوع سے متعلق آپ کے ارسال کردہ پورے مواد کا مطالعہ کر کے اس کا تجزیہ کیا گیا، تو

بنیادی طور پر درج ذیل اشکالات سامنے آئے۔ذیل میں ان اشکالات کو ذکر کر کے ان کا جواب تحریر کیا جاتا ہے۔

اشکال اول:

آپ ''نقدی کے وقف کا صحیح ہونا'' اور ''واقف کا اپنی زندگی میں انتفاع کی شرط لگانا'' ان دونوں باتوں کو صحیح مانتے ہیں، لیکن نقدی میں وقف علی النفس کی شرط کو غلط سمجھتے ہیں، کیوں کہ آپ کی تحقیق کے مطابق اس صورت میں تلفیق لازم آتی ہے، جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

> ''ہم کہتے ہیں وقف علی النفس کے قائل امام ابو یوسفؒ ہیں، جو دراہم کے وقف کے قائل نہیں، جب کہ دراہم کے وقف کے قائل امام زفرؒ ہیں، جو وقف علی الفس کے قائل نہیں؛ لہٰذا دراہم کا وقف ایسا حکم ہوا جو دو قولوں کی تلفیق سے حاصل ہوا''۔(ص:۱٦)

پھر آنجناب نے منقولہ اشیاء کا وقف صحیح ہونے کی درج ذیل صورت بیان فرمائی ہے:

> ''منقولہ اشیاء میں صرف یہی صورت ممکن ہے کہ آدمی ان کو وجوہِ خیر میں فوری وقف کر دے اور شرط کر دے کہ وہ خود بھی دوسروں کے ساتھ فائدہ اٹھائے گا یا وقف کے منافع کا حق دار ہونے کی وجہ سے دوسرے حق داروں کے ساتھ شریک ہو گا''۔
> (ص:۸،۹)

جواب:

یہ بات الگ ہے کہ مسؤلہ صورت تلفیق کی ہے یا نہیں، جواب میں یہ بات ذکر

کرنے کی ضرورت ہی نہیں، بلکہ اصل جو مغالطہ ہوا ہے، وہ سمجھنا کافی ہے، جس کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے:

''تکافل علی اساس الوقف'' میں جو مغالطہ لگا ہے وہ یہ ہے کہ:

نظامِ تکافل میں شرکاء فنڈ کو واقفین سمجھا گیا ہے، اوران کے چندوں کو وقف سمجھا گیا ہے، اور یہ سمجھا گیا ہے کہ پالیسی ہولڈرز چندہ دیتے وقت انتفاع نفس کی شرط لگاتے ہیں، جس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ یہ وقف علی النفس ہے، جس پر یہ کہا گیا کہ:

> ''وقف علی النفس کے قائل امام ابو یوسفؒ ہیں، جو دراہم کے وقف کے قائل نہیں، جب کہ دراہم کے وقف کے قائل امام زفرؒ ہیں، جو وقف علی النفس کے قائل نہیں؛ لہٰذا دراہم کا وقف ایسا حکم ہوا جو دو قولوں کی تلفیق سے حاصل ہوا''

حالاں کہ یہ محض مغالطہ ہے، یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں:

☆ فنڈ ☆ چندہ

شروع میں شیئر ہولدرز نے کچھ رقم وقف کر کے ایک فند قائم کیا، اس مرحلہ پر یہ وقف الدراہم یا وقف النقود ہے، اور صرف یہی وقف ہے، اس میں واقفین نہ وقف علی النفس کی کوئی شرط لگاتے ہیں اور نہ ہی انتفاع کی کوئی شرط لگاتے ہیں، بلکہ وہ وقف کر کے اس فنڈ کے انتفاع سے فارغ ہو گئے۔ اب ان کو اگر نفع ملتا ہے تو وہ صرف اُجرتِ وکالہ یا مضاربہ کی بنیاد پر ملتا ہے، وقف کی وجہ سے ان کو اس وقف فنڈ سے کوئی نفع نہیں ملتا۔ لہٰذا اس مرحلہ پر وقف الدراہم علی النفس کی بحث بے جا ہے۔

جہاں تک ''چندہ کا تعلق ہے، تو وہ وقف ہے ہی نہیں، بلکہ وہ مملوک وقف ہے، جس میں ''علی الفس'' کی کوئی بحث نہیں آتی، کیوں کہ یہ وقف ہی نہیں، جیسا کہ حضرت

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے درج ذیل الفاظ میں اس کی صراحت فرمائی ہے:

"ما يتبرع به المشتركون يخرج من ملكهم ويدخل في الصندوق الوقفي، وبما أنه ليس وقفا، وإنما هو مملوك للوقف".

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چندہ دہندگان کو نقصان کی صورت میں مذکورہ فنڈ سے فوائد کس بنیاد پر ملتے ہیں؟ تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ شروع میں واقفینِ فند نے فند کو مطلق نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے نزدیک اس وقف سے صرف وہی لوگ منتفع ہوں گے، جنہوں نے اس فنڈ کو چندہ دے کر اس کی رکنیت حاصل کی ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو اس وقف فنڈ کو چندہ دے کر اس کا رکن بنے گا، وہ گویا کہ موقوف علیہم ہو جائے گا، اب اس کو واقفین کی شرط کے مطابق فنڈ سے فوائدِ مقررہ ملیں گے، لأن شرط الواقف كنص الشارع.

جس کی وضاحت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے درج ذیل الفاظ میں فرمائی ہے:

"ما يحصل عليه المشتركون من التعويضات ليس عوضاً عن ما تبرعوا به، وإنما هو عطاء مستقلمن صندوق الوقف لدخولهم في جملة الموقوف عليهم حسب شرائط الواقف".

اس تفصیل سے درج ذیل باتیں واضح ہوگئیں:

☆ شریکِ فند کو فوائد شریک کی کسی شرط کی وجہ سے نہیں مل رہے ہیں، بلکہ وہ فنڈ کو چندہ دے کر فند کا رکن بن گیا، اب اس کو فوائد واقفین کی شرط کی وجہ سے منجملہ موقوف علیہم میں شامل ہو کر مل رہے ہیں، لہٰذا اس کا ''عطاءِ مستقل'' ہونا بھی واضح ہو گیا۔

☆ یہ چندہ وقف نہیں، لہٰذا اس میں وقف النقود اور علی النفس اور دونوں کو ملانے سے لزومِ تلفیق کی بحثِ طویل (ج و مذکورہ رسالے میں ہے) بھی سامنے نہیں آئے گی، اور جو وقف ہے، وہ اصل فند ہے، اس میں علی النفس کی کوئی شرط ہی نہیں۔

ذکر کردہ اشکال کی بنیاد پر موجودہ تکافلی نظام کو اس وقت ناجائز کہا جا سکتا ہے، جب اصل واقفین وقف کرتے وقت ''وقف علی النفس'' کی شرط لگاتے، جب کہ موجودہ صورتِ حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ اور اگر وہ وقف کرتے وقت ''وقف علی النفس'' کے بجائے یہ شرط لگاتے کہ وقف کی وجہ سے وہ خود بھی دوسروں کے ساتھ نفع اٹھائیں گے، تو اس صورت کے جواز کے آپ بھی قائل ہیں، لیکن موجودہ صورت میں تو یہ بھی نہیں ہے، اس لیے کہ موجودہ صورت میں واقفین وقف کرنے کی وجہ سے وقف سے براہِ راست کوئی نفع نہیں اٹھاتے، بلکہ ان کو اگر کوئی نفع ملتا ہے تو وہ صرف اجرتِ وکالہ یا مضاربہ کی بنیاد پر ملت ہے، وقف کی وجہ سے ان کو اس وقف سے کچھ نہیں ملتا۔ بلکہ اس کی ابتداء متضررین کے لیے اور انتہاء قربت کے لیے ہے، جس کی وضاحت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے اس طرح فرمائی ہے:

"تنشئ شركة التأمين الإسلامي صندوقاً للوقف و تعزل جزء اً معلوماً من رأس مالها يكون وقفاً على لمتضررين من في الصندوق حسب لوائح الصندوق و على الجهات الخيرية في النهاية".

اور یہی بات دسمبر ۲۰۰۲ء دار العلوم میں ہونے والے ملک بھر کے علماء کے اجلاس میں ان الفاظ کے ساتھ طے ہوئی تھی:

''اس کے اندر سب سے پہلے شیئر ہولڈرز یعنی: تکافل

کمپنی کے حصہ داران اپنے طور پر اموالِ غیر منقولہ یا نقود یا دونوں کو شرعی اصول وضوابط کے مطابق وقف کریں گے، جنہیں وقف کہا جائے گا اوران کے لیے آخری جہت'' قربت''یعنی: فقراء ومساکین پر تصدق (صدقہ کرنا) ہوگی''۔ (مسودہ، تکافل کی قراردادیں، ص:۳)

اشکال دوم:

''وقف مخصوص افراد کے لیے ہوسکتا ہے'' آپ اسے تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ اختصاص اس بنیاد پر ہونا تسلیم نہیں کہ یہ صرف ان لوگوں کے لیے ہو، جنہوں نے پالیسی حاصل کی ہے، بلکہ مخصوص علاقے کے لیے یا مخصوص رشتہ داروں کے لیے وغیرہ کے لیے ہونا صحیح ہے۔ آپ کا کہنا یہ ہے کہ اس طرح یہ عقدِ معاوضہ بن جائے گا، جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

''صمدانی ساحب کے یہ الفاظ''اس وقف سے صرف وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو اس وقف کو عطیہ دیں''اس پر واضح دلیل ہیں کہ یہ عقدِ معاوضہ ہے''۔

جواب:

اس اعتراض کا اسی مجلس میں جو جواب دیا گیا تھا، اس کا حاصل یہ ہے کہ''چندہ تو ہدیہ اور عطیہ ہے، جبکہ پالیسی ہولڈرز کے نقصان کی تلافی وقف کی شرائط کی وجہ سے ہے''۔

اس جواب کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی کہ یہاں دونوں اپنی نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ معاملات ہیں، کیوں کہ چندہ دہندگان کو نقصان کی تلافی کا فائدہ اس کی کسی شرط کی وجہ نہیں مل رہا، بلکہ وہ تو فنڈ کو چندہ دے کر فنڈ کا رکن بن گیا، اب اس کو فائدہ واقفین کی

شرط کی وجہ سے منجملہ موقوف علیہم میں شامل ہونے پر مل رہا ہے، جو کہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے عطاء مستقل ہے، اور واقفین کو اس بات کا اختیار ہے کہ وقف میں یہ شرط لگائیں کہ اس وقف کے موقوف علیہم وہ لوگ ہوں گے جو اس فنڈ کے رکن ہوں گے۔ چوں کہ یہ شرط کسی شرعی اصول سے متصادم نہیں ہے، اس لیے اس ناجائز کہنے کی کوئی وجہ یا دلیل موجود نہیں، جیسا کہ عام طور پر مختلف برادریوں میں اس طرح فنڈز بنائے جاتے ہیں، لہٰذا اس کو عقدِ معاوضہ کہنا درست نہیں، عقدِ معاوضہ اس وقت ہوتا کہ چندہ کمپنی مالکان کو دیا جاتا، کمپنی مالکان اس چندہ کے مالک بنتے اور پھر کمپنی مالکان نقصان کی تلافی کرتے۔

اشکالِ سوم:

جو کہ دوسرے اشکال ہی کی بنیاد پر ہے کہ

"زیادہ پریمیم دینے والے کے لیے زیادہ نقصان کی تلافی ہونا اور کم پریمیم والے کے لیے کم نقصان کی تلافی ہونا اسے عقدِ معاوضہ بنا دیتی ہے"۔

جواب:

اس کے جواب کی بنیاد بھی وہی ہے جو دوسرے اشکال کے جواب میں ذکر کی گئی ہے کہ یہ کم یا زیادہ ملنا وقف کے قواعد کی وجہ سے ہے نہ کہ چندہ دہندگان کے کم یا زیادہ پریمیم دینے کی وجہ سے۔ اور یہی جواب دسمبر ۲۰۰۲ء دارالعلوم میں ہونے والے علماءِ کرام کے اجلاس میں دیا گیا جو احقر نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۰۴، ۱۰۵ پر بھی ذکر کیا ہے۔

وضاحت:

احقر کی کتاب "تکافل" کے صفحہ: ۱۱۴ پر یہ عبادت ہے:

اصولی طور پر اس مرحلے پر بھی دو عقد ہوتے ہیں:

۱۔ امانت کا عقد جس کی وجہ سے پالیسی ہولڈر کی رقم کمپنی کے پاس (یا وقف فنڈ کے پاس) بطورِ امانت آجاتی ہے۔

اس پر آپ نے یہ فرمایا:

کہ اس سے پہلے تو مؤلف یہ کہہ چکا ہے کہ یہ رقم وقف کی ملکیت ہوتی ہے، اب اسے امانت کہنا کیسے صحیح ہوگا؟

آپ کا یہ اشکال جنرل تکافل کی حد تک تو بجا ہے، جس کے لیے عبارت میں تبدیلی کی گئی ہے، جو ذیل میں ہے، لیکن فیملی تکافل کے لحاظ سے مذکورہ عبارت درست ہے، کیوں کہ فیملی تکافل میں کمپنی فنڈ کی بھی امین ہے، اور پالیسی ہولڈرز کی بھی امین ہے، اس لیے کہ فیملی میں دو فنڈز ہوتے ہیں، وقف فند جسے پی ٹی ایف کہتے ہیں اور انوسٹمنٹ اکاؤنٹ جسے پی آئی اے کہتے ہیں، اس فنڈ میں جو رقوم ہوتی ہیں یا ان پر جو حاصل شدہ نفع ہوتا ہے، وہ پالیسی ہولڈرز ہی کی ملکیت ہوتا ہے، قوف کی ملیکت نہیں ہوتی۔

۲۔ امانت کا عقد جس کی وجہ سے پالیسی ہولڈرز کی دی ہوئی وقف فنڈ میں موجود رقم کمپنی کے پاس بطورِ امانت ہو جاتی ہے، کیوں کہ کمپنی اس فنڈ کی متولی اور امین ہوتی ہے۔

اشکال چہارم:

آپ کا چوتھا اشکال یہ کہ ''کمپنی وقف فند کی مضارب نہیں بن سکتی''، جس کی دلیل آپ نے یہ بیان فرمائی:

''کیوں کہ فقہاء کرام نے متولی وقف کو صرف اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ مالِ وقف کو اجرت پر دے، مالِ وقف کو مضاربت پر

دینے کی اجازت منقول نہیں۔ نیز آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس طرح
کمپنی خود ہی رب المال اور خود ہی مضارب بنتی ہے"۔ (ص: ۳۷)

جواب:

یہ بات صحیح ہے کہ فقہاء کرام نے متولی وقف کو صرف اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ مالِ وقف کو اجرت پر دے، مالِ وقف کو مضاربت پر دینے کی اجازت منقول نہیں، لیکن منع بھی تو منقول نہیں۔

آپ کا کہنا یہ کہ مضاربت کو اجارہ پر قیاس کرنا درست نہیں، جس کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی:

> "شئے مستاجر غصب ہو جائے یا متولی وقف خود اجرت پر لے تو اجرتِ مثل دینے پڑتی ہے، جب کہ مضاربت میں ایسا نہیں ہوتا"،

جس کا حاصل یہ ہے کہ اجرت میں وقف کا نقصان نہیں ہوتا، جب کہ مضاربت میں نقصان ہوسکتا ہے۔

یہ فرق اگر چہ قابلِ لحاظ ہے لیکن مضاربت کی صورت میں نقصان وقف کا احتمال تو اس صورت میں بھی رہتا ہے، جہاں مضارب ناظر یا متولی نہ ہو بلکہ کوئی اور شخص ہو، حالاں کہ اس کو فقہاء نے صراحۃً جائز قرار دیا ہے، نیز! اس معاملے کو اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ مضاربت اور اجارہ دونوں آمدنی کے ذرائع ہیں، جن سے وقف کا فائدہ ہوتا ہے، تو جہاں رقم ڈوبنے کا اندیشہ نہ ہو، وہاں وقف کی اشیاء و مملوکات سے نفع حاصل کرنے کی گنجائش ہونی چاہیے، خصوصاً جب کہ وقف یا اس کے مملوکات ایسی چیزیں ہوں کہ انہیں کرایہ پر دینا ممکن نہ ہو، جیسے نقد روپیہ تو ایسی صورت میں مضاربت پر مال دینے کی بدرجہ

اولیٰ گنجائش ہوگی۔

كما هو مذكور في الشامية، "قوله:ولا من يقبله مضاربة إلخ. في البحر عن جامع الفصولين: إنما يملك القاضي اقراضه إذا لم يجد ما يشتريه له يكون غلة لليتيم لا لو وجده أو وجد من يضارب لأنه أنفع.......... وما قيل إن مال المضاربة أمانة غير مضمون فيكون الإقراض أولىٰ، فهو مدفوع بأن المضاربة فيها ربح بخلاف القرض". ج:٤، ص: ٤٨٧ .مطلب للقاضي اقراض مال اليتيم نحوه.

جہاں تک اس خیال کا تعلق ہے کہ اس سے کمپنی خود ہی رب المال اور خود ہی مضارب بنتی ہے، یہ درست نہیں ، بلکہ اس صورت میں وقف فند کا پول جو کہ شخص قانونی ہے، وہ رب المال ہوتا ہے اور کمپنی مضارب ہوتی ہے، لہٰذا جس خرابی کی وجہ سے آپ اسے ناجائز سمجھتے ہیں، وہ یہاں موجود نہیں ، تاہم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے اس صورت کے جائز ہونے پر جزم نہیں فرمایا، بلکہ صرف اپنی رائے پیش فرمائی ہے، اور اس رائے پر عدمِ اطمینان کی صورت میں دوسرا متبادل پیش فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت مدظلہم آگے لکھتے ہیں:

" ولئن كان هناك شك في جميع الشركة بين تولية الوقف بين المضاربة......إلخ".

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت نے اوّلاً اجارے پر قیاس کرتے ہوئے اس کی گنجائش سمجھی، تاہم عدمِ اطمینان کی سورت میں ایسا متبادل پیش فرمایا، جس میں مذکورہ خرابی نہیں۔ البتہ یہ واضح رہے کہ آج کل اکثر تکافل کمپنیاں حضرت کے مقالہ میں ذکر کردہ

صورتوں کے بجائے ''وکالۃ بالاستثمار'' کی بنیاد پر کام کرتی ہیں، جس میں تکافل کمپنی فنڈ وکیل کی حیثیت سے تجارت کرتی ہے اوراس کی وجہ سے ایک مخصوص فیس وصول کرتی ہے، لہٰذا ایسی پریکٹس پر تو یہ اشکال ہی وارد نہیں ہوتا۔

اشکال:

وقف النقود میں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ جو پیسہ واقفین نے دیا ہے، وہ پیسہ بعینہٖ باقی رہنا ناممکن ہے، جب کہ وقف کی صحت کے لیے وقف کی عین کا باقی رہنا ضروری ہے۔

جواب:

اس کا جواب علامہ شامیؒ نے دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نقد اور عام شئی منقول میں فرق ہے، اور وہ یہ کہ نقود تعیین سے متعین نہیں ہوتے، لہٰذا ان کا بدل ان نقود کا قائم مقام سمجھا جائے گا اور یہ سمجھا جائے گا کہ عین باقی ہے۔ کما قال:

"قلت: فإن الدراهم لا تتعين بالتعيين، فهي وإن كانت لا ينتفع بها مع بقاء عينها، لكن بدلها قائم مقامها لعدم تعينها فكأنها باقية...... إلخ". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول قصداً)

نیز! فقہاءِ کرام نے ''نقودِ موقوفہ'' کا قائم مقام سمجھا جائیگا۔ بطورِ نمونہ درج ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیں:

في فتح القدير: ١٩/٦

وعن الأنصاري وكان من أصحاب فمن وقف الدراهم أو الطعام أو ما يكال أو يوزن أيجوز ذلك؟ قال ؛ نعم؛ قيل: وكيف؟ قال: "يدفع الدراهم مضاربة، ثم

يتصدق بها في الوجه الذي وقف عليه".

في المحيط البرهاني: ٨/ ٥٠٣

وعن الأنصاري وكان من أصحاب زفرؒ: إذا وقف الدراهم أو الطعام أو ما يكال أو يوزن، أنه يجوز ويدفع الدراهم مضاربة". (كتاب الوقف، الفصل الثالث)

اشکال پنجم:

تکافل کمپنی کی پالیسی کی ایک شق پر اعتراض کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''اس کے مطابق حاصل شدہ رقم واپس مل جاتی ہے، جو جائز نہیں، کیوں کہ یہ مملوک وقف ہو چکی ہے''۔

جواب:

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ دفعہ ظاہرِ نظر میں شرعی اعتبار سے قابلِ اشکال تھا، اب اس کی عبارت میں تبدیلی کی گئی ہے، بعض صورتوں میں تو یہ رقم واپس نہیں کی جاتی، اور بعض صورتوں میں کمپنی اپنے ذاتی فنڈ سے دیتی ہے، وقف فند سے نہیں دیتی اور بعض صورتوں میں وقف کی شرائط کے تحت رقم واپس دے دی جاتی ہے اور واقف کی شرط کا قابلِ اعتبار ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عصمت اللہ عصمہ اللہ	اعجاز احمد غفر اللہ لہ
استاذ ورفیق دارالافتاء دارالعلوم کراچی	استاذ ورفیق دارالافتاء دارالعلوم کراچی
۲۰/۳/۱۴۳۰ھ	۲۰/۳/۱۴۳۰ھ

☆☆..........☆..........☆☆

فصل سوم:

مجوزین حضرات کے جواب پر ڈاکٹر صاحب کے اعتراضات

حضرت ڈاکٹر صاحب زید مجدہ

کی طرف سے

مجوزین حضرات کی تحریر کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت جناب مفتی عصمت اللہ صاحب ومولانا ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تکافل سے متعلق میرے مضمون پر آپ صاحبان نے جو سات صفحوں کا جواب بھیجا ہے، اس کی وصولی کی رسید پیشِ خدمت ہے۔ آپ حضرات کا جواب پڑھ کر مایوسی ہوئی کہ آپ نے یا تو میرا مضمون سمجھا نہیں یا انتہائی بے نیازی سے کام لیا ہے، آپ کے جواب میں جو سُقم ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

پہلا سقم:

آپ حضرات نے اپنے جواب کے صفحہ ایک پر اشکال اول کے عنوان کے تحت یہ لکھا ہے:

> ''آپ.............نقدی میں وقف علی النفس کی شرط کو غلط سمجھتے ہیں، کیوں کہ آپ کی تحقیق کے مطابق اس صورت میں تلفیق لازم آتی ہے''۔

میں کہتا ہوں:

یہ تو ٹھیک ہے کہ میں نقدی بلکہ تمام اشیائے منقولہ میں وقف علی النفس کی شرط کو غلط سمجھتا ہوں، لیکن اس کی وجہ تلفیق ہے، اس کو تو میں نے کہیں نہیں لکھا، یہ تو ''تنقیح فتاویٰ حامدیہ'' مین ہے کہ اشیائے منقولہ کے وقف علی النفس پر شلبیؒ نے اعتراض اٹھایا ہے کہ اس میں تلفیق لازم آتی ہے، اور طرسویؒ نے اس کا جواب دیا ہے کہ وہ حکم جو دو مذہبوں سے

مرکب ہو جائز ہوتا ہے۔ (جدید معاشی مسائل اور مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے دلائل کا جائزہ، ص:۱۰۵ تا ۱۰۸)

میں نے تو یہ بتایا تھا کہ مجھے تلفیق کا وجود ہی تسلیم نہیں، میری عبارت یوں ہے:

''(امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ) ان دونوں کے قولوں کو ملائیں تو یہ نتیجہ نکلے گا کہ غیر منقولات کا ''وقف علی الفقراء'' و ''علی النفس'' جائز ہے، اور منقولات ونقدی کا وقف صرف ''علی الفقراء'' جائز ہے۔ اس سے تلفیق نہیں بنتی......''۔ (ص:۱۵۹، ایضاً)

لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ ''میں لزومِ تلفیق کی وجہ سے وقف الدراہم علی النفس کو ناجائز کہتا ہوں'' بالکل بے بنیاد بات ہے، عدمِ جواز کے دلائل مین نے اور دیئے تھے، جن سے آپ نے تعرض ہی نہیں کیا۔

دوسرا ستم:

آپ حضرات نے صفحہ نمبر:۲ پر لکھا ہے:

''تکافل علی اساس الوقف میں جو (اصل) مغالطہ (مجھے) لگا ہے، وہ یہ ہے کہ نظامِ تکافل میں شرکاء فند کو واقفین سمجھا گیا اور ان کے چندوں کو وقف سمجھا گیا اور یہ سمجھا گیا کہ پالیسی ہولڈرز چندہ دیتے وقت عملاً یہ لوگ انتفاع نفس کی شرط لگاتے ہیں، جس کا مطلب یہ لیا گیا کہ وقف علی النفس..........''۔

میں کہتا ہوں:

یہ آپ لوگوں کی محض اپنی اختراع ہے۔ اپنی کتاب (جدید معاشی مسائل) کے صفحہ نمبر:۹۳ تا ۹۷ میں میں نے کو دنظام تکافل کی مکمل تفصیل دی ہے۔ اور آپ حجرات نے

اپنے اس اختراعی مغالطہ کے جواب میں مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی جو عبارت نقل کی ہے، وہ میں بھی نقل کر چکا ہوں۔ آپ کا ذکر کردہ مغالطہ نہ میں نے سمجھا اور نہ میں نے کہیں اس کا ذکر کیا۔ فیاللعجب

تیسرا سقم:

آپ حضرات نے اپنے جواب کے صفحہ نمبر:۳ پر لکھا ہے:

> ''ذکر کردہ اشکال کی بنیاد پر موجودہ تکافلی نظام کو اس وقت ناجائز کہا جا سکتا تھا، جب اصل واقفین وقف کرتے وقت ''وقف علی النفس'' کی شرط لگاتے، جب کہ موجودہ صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے''۔

میں کہتا ہوں:

وقف علی النفس کا لفظ تو اس لیے استعمال کیا ہے کہ مولانا تقی عثمانی مدظلہ نے اس کو تکافل علی اساس الوقف کے چار قواعد میں سے شمار کیا ہے۔ ورنہ وقف علی النفس ہو یا وقف علی الاولاد ہو یا وقف علی الاغنیاء المتضررین ہو، سب کا ایک حکم ہے۔ اور اس کی تو چند سطروں بعد آپ حضرات نے بھی تصریح کی ہے کہ ''اس (یعنی: وقف فنڈ) کی ابتداء متضررین کے لیے اور انتہاء قربت کے لیے ہے''۔

چوتھا سقم:

آپ حضرات نے میری یہ بات تو نقل کی کہ

> ''صمدانی صاحب کے یہ الفاظ ''اس وقف سے صرف وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اس وقف کو عطیہ دیں'' اس پر واضح دلیل ہے کہ یہ

عقدِ معاوضہ ہے"۔

میں کہتا ہوں:

اس کی وضاحت میں نے جو دلائل دیئے (دیکھیے ص:۱۱۷، جدید معاشی مسائل) آپ نے ان سے صرف نظر کر کے اپنی بات کا اعادہ کر دیا کہ

یہاں دونوں اپنی نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ معاملات ہیں..........."۔ حالاں کہ آپ کی اسی بات کے معارض کو میں نے دلائل سے ثابت کیا تھا۔

پانچواں سقم:

آپ حضرات نے اشکال سوم کے عنوان کے تحت میری یہ عبارت نقل کی کہ

"زیادہ پریمیم دینے والے کے لیے زیادہ نقصان کی تلافی ہونا اور کم پریمیم والے کے لیے کم نقصان کی تلافی ہونا اسے عقدِ معاوضہ بنا دیتی ہے"۔

میں کہتا ہوں:

یہ عبارت بعینہٖ میری نہیں ہے۔ اور پھر جواب کے طور پر آپ نے اپرانے دلائل کا اعادہ کیا یا حوالہ دیا۔ علاوہ ازیں! آپ حضرات نے جن دلائل کا حوالہ دیا ہے یا جس بات کا اعادہ کیا ہے، انہی پر تو مین نے اپنے اعتراض رکھے رہے، میری کتاب جدید معاشی مسائل، صفحہ:۱۱۸ تا ۱۲۳ میں مندرج میری کسی بات کا جواب آپ نے نہیں دیا۔

چھٹا سقم:

1:(پہلی بات) اشکال چہارم کے تحت آپ نے میری طرف یہ بات تو درست منسوب کی ہے کہ کمپنی وقف فنڈ کی مضارب نہیں بن سکتی، لیکن اس کی جو وجہ آپ نے میری طرف منسوب کی ہے وہ آپ حضرات کا محض وہم ہے۔ آپ حضرات میری طرف یہ منسوب کرتے ہیں:

> ''کیوں کہ فقہائے کرام نے متولی وقف کو صرف اس بات کی اجازت منقول نہیں، نیز! آپ یہ سمجھ رہے ہیں، اس طرح کمپنی خود ہی رب المال اور خود ہی مضارب بنتی ہے''۔

میں کہتا ہوں:

میں نے وہ بات نہیں لکھی جو آپ نے میری طرف منسوب کی ہے، بلکہ میں نے یہ لکھا تھا کہ:

> ''یہ بات غور طلب ہے کہ فقہاء نے ناظر کے لیے وقف زمین کو (خود) اجرت پر لینے کے جواز کی تصریح کی اور ناظر کے (خود) مضارب بننے کے جواز کی تصریح نہیں کی''۔

2:(دوسری بات) میرے اعتراض کے جواب میں آپ نے لکھا ہے کہ

> ''یہ درست نہیں بلکہ اس صورت میں وقف فنڈ کا پول جو کہ شخص قانونی ہے، وہ رب المال ہوتا ہے اور کمپنی مضارب ہوتی ہے، لہٰذا جس خرابی کی وجہ سے آپ ناجائز سمجھتے ہیں وہ یہاں موجود نہیں۔ تاہم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے اس صورت کے جائز ہونے پر جزم نہیں فرمایا''۔

میں کہتا ہوں:

الف: شخص قانونی تو محض اعتباری ہوتا ہے جو نہ بول سکے اور نہ حرکت کر سکے۔ اس کو قائم رکھنے والے تو کمپنی کے ڈائریکٹر یا شرکاء ہوتے ہیں۔ کوئی معاملہ کرتے ہیں۔ تو کیا کمپنی کے ڈائریکٹر خود اپنے آپ ہی سے معاملہ نہیں کرتے؟

ب: یہ بات سوچنے کی ہے کہ مولانا تقی عثمانی مدظلہ نے اس صورت کے جائز ہونے کا جزم کس وجہ سے نہیں کیا؟ آپ حضرات ان سے پوچھ تو سکتے تھے۔

3: (تیسری بات) آپ حضرات لکھتے ہیں:

> ''یہ واضح رہے کہ آج کل تکافل کمپنیاں حضرت کے مقالہ میں ذکر کردہ صورتوں کے بجائے وکالہ بالاستثمار کی بنیاد پر کام کرتی ہیں.......... لہٰذا ایسی ہر کمپنی پر تو یہ اشکال ہی وارد نہیں ہوتا''۔

میں کہتا ہوں:

آپ کی اس بات سے معلوم ہوا کہ تکافل کمپنیوں میں اب ماشاء اللہ فقاہت بھی آ گئی ہے، اس لیے وہ مولانا تقی عثمانی مدظلہ کی جزوی طور پر پابند نہیں رہیں۔ علاوہ ازیں! یہ خرابی پھر بھی رہی کہ وقف کا متولی خود ہی وکیل بالاجرت بھی ہو اور مؤکل بھی ہو۔

ساتواں سقم:

آخر میں آپ حضرات نے ''اشکال'' کا عنوان کے تحت یہ لکھا:

> ''وقف النقود میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ جو پیسہ واقفین نے دیا ہے، وہ پیسہ بعینہٖ باقی رہنا ناممکن ہو، جب کہ وقف کی صحت کے لیے وقف کی عین کا باقی رہنا ضروری ہے''۔

میں کہتا ہوں:

میں نے جب ایسا کوئی اشکال کیا ہی نہیں تو آپ حضرات کا اس کو ذکر کرنا محض بے کار ہوا۔

عبدالواحد
دارالافتاء جامعہ مدنیہ۔لاہور

فصل چہارم:

حضرت ڈاکٹر صاحب زید مجدہ کی تحریر کا
مجوزین حضرات کی طرف سے مکرر جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی ومکرمی جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے

تکافل پر آپ کے اشکالات کے بارے میں ہم دو حضرات نے جو جوابات لکھے تھے، اس پر آپ کے ذکر کردہ اسقام موصول ہوئے، نمبر وار ان کا جواب ذیل میں عرض کریں گے۔

(۱) آں جب کی یہ بار درست ہے کہ آپ نے مذکورہ صورت میں تلفیق کا قول اختیار نہیں فرمایا اور جو بات آپ کی طرف منسوب کی گئی وہ آپ کا اپن قول نہیں تھا، بلکہ ایک عربی عبارت ک ترجمہ تھا، لیکن وہ ترجمہ پیراگراف کی شکل میں نہ ہونے کی وجہ سے ہماری طرف سے آپ کی طرف یہ بات منسوب کرنے میں غلطی ہوگئی۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ آپ ان دونوں صورتوں کو جمع کرنا ناجائز سمجھتے ہیں، چناں چہ! آپ کی کتاب ''جدید معاشی مسائل'' کے صفحہ نمبر: ۹۸ پر ''پہلی باطل بنیاد'' کے تحت مذکور ہے:

''مولانا تقی عثمانی مدظلہ کا ذکر کردہ پہلا قاعدہ کہ ''نقدی کا وقف درست ہے'' اور دوسرا قاعدہ کہ ''واقف اپنی زندگی میں بلا

شرکتِ غیرے اپنے وقف سے خود نفع اٹھا سکتا ہے' یہ دونوں ہی اپنی جگہ مُسلّم ہیں، لیکن ان کو جوڑنا درست نہیں"۔

ان دونوں کو جوڑنے کے عدمِ جواز کی جو وجہ آپ نے اگلے صفحات میں بیان فرمائی ہے، اس کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ نقود میں وقف علی النفس استحساناً ہوگا یا قیاساً ہوگا، استحسان کی یہاں کوئی دلیل نہیں اور قیاس میں فارق موجود ہے، وہ ہے دوام وعدمِ دوام۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ مذکورہ دونوں صورتوں کے جمع ہونے کو ناجائز سمجھتے ہیں، البتہ اس ناجائز ہونے کی وجہ تلفیق کے بجائے درج بالا قرار دیتے ہیں، لیکن چوں کہ ہم نے جواب میں تلفیق کو بنیاد ہی نہیں بنایا اور نہ ہی اس کا کوئی جواب دیا ہے بلکہ حقیقی صورت حال کی وضاحت کر کے حکم بیان کیا ہے۔ اس لیے آپ کی طرف تلفیق کی غلط نسبت ہونے کے بجائے نفسِ جواب میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(۲) ہم نے ازالہ مغالطہ کے عنوان سے جو بحث کی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ مروج تکافلی نظام میں وقف علی النفس کی شرط ہے ہی نہیں (خواہ شیئر ہولڈرز کی طرف سے ہو یا چندہ دہندگان کی طرف سے) جب کہ آپ کی عبارات دیکھ کے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہاں "وقف علی النفس" کا وجود تسلیم کیا ہے (خواہ شیئر ہولڈرز کی طرف سے ہو یا چندہ دہندگان کی طرف سے) تبھی تو آپ اس کو تکافل کی "پہلی باطل بنیاد" قرار دیتے ہیں۔

(۳) آپ نے "وقف النقود" میں "علی الأغنیاء المتضررین" کو بھی ناجائز قرار دیا، لیکن اس کی کوئی دلیل ہمیں نہیں ملی، جب کہ اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

نیز! یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ تکافلی نظام میں وقف کی شرائط میں اغنیاء کی کوئی

قید مذکور نہیں، بلکہ متضرر کوئی بھی ہوسکتا ہے، خواہ غنی ہو یا فقیر۔

(۴) اس کا جواب تفصیل کے ساتھ ہمرے جواب میں ازالہ مغالطہ کے تحت آ شکا ہے کہ یہاں ممبر کو فنڈ سے جو کچھ مل رہا ہے، وہ شرطِ واقف کی وجہ سے مل رہا ہے، جس کا چندے سے کوئی تعلق نہیں۔

(۵) جب ازالہ مغالطہ کے تحت ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ یہاں عقد، معاوضہ نہیں پایا جاتا، ت واس کی وجہ سے آپ کی کتاب کے ص:۱۱۸ تا ۱۲۳ کے تمام اشکالات باقی نہیں رہتے، لہٰذا ہر جزوی اشکال کا الگ الگ جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

(۶) آپ نے اپنی کتاب کے ص:۱۲۶ پر ''عملی خرابیاں'' کے عنوان کے تحت نمبر:ا میں یہی خرابی لکھی ہے کہ ''کمپنی خود ہی رب المال اور خود ہی مضارب بنتی ہے'' لہٰذا ہمارے جواب میں آپ کی طرف غلط نسبت نہیں کی گئی۔

اس خرابی کے جواب میں ہم نے لکھا تھا کہ یہاں ایک ہی شخص مضارب اور رب المال نہیں بن رہا، بلکہ وقف جو شخص قانونی ہے وہ رب المال ہے اور کمپنی جو اس کی متولی ہے وہ مضارب ہے، لہٰذا رب المال اور مضارب کا ایک ہونا لازم نہ آیا۔

تاہم یہ بات قابلِ غور رہتی ہے کہ متولی خود مضارب بن سکتا ہے تو اس کے بارے میں ہم نے کہا تھا کہ اگر چہ فقہاء کرام کے کلام میں اس کا جواز منقول نہیں لیکن منع بھی تو منقول نہیں، اور چوں کہ فقہاء کے کلام میں اس بارے میں کوئی صریح عبارت موجود نہیں اس لیے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم نے اس کے جواز پر جزم نہیں فرمایا، بلکہ اسے اجارہ پر قیاس کیا۔

(۷) یہ اشکال ہم نے آپ کی طرف منسوب نہیں کیا، اس لیے اس کو باقاعدہ مرقم نہیں کیا، بلکہ اسے عمومی ممکنہ اشکال کے طور پر ذکر کیا گیا۔

والسلام

عصمت اللہ عصمہ اللہ
دارالافتاء دارالعلوم کراچی
۶/۷/۳۰ھ

اعجاز احمد غفراللہ لہ
دارالافتاء دارالعلوم کراچی
۶/۷/۳۰ھ

☆☆..........☆..........☆☆

فصلِ پنجم:

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ کی کتاب "غیر سودی بینک کاری"
کے جواب میں لکھی گئی "مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب زید مجدہ"
کی کتاب "ہدیہ جواب" کا آٹھواں باب:

اور

مفتی عصمت اللہ ومولانا ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی صاحبان کی آخری تحریر کا جواب

"تکافل (اسلامی انشورنس) کا نظام غیر اسلامی ہے"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تکافل (اسلامی انشورنس) کا نظام غیر اسلامی ہے

مروجہ تکافل کا نظام مولانا عثمانی مدظلہ کے ذکر کردہ وقف کے ان چار قواعد پر مبنی ہے:

۱۔ نقدی (روپے) کا وقف درست ہے۔

۲۔ واقف اپنے کیے ہوئے وقف سے خود نفع اٹھا سکتا ہے (اپنی اولاد کو نفع دے سکتا ہے اور دیگر غنی لوگوں کے انتفاع کی شرط کر سکتا ہے)۔

۳۔ وقف کو جو تبرع یعنی: چندہ کیا جائے، وہ وقف کی ملکیت بنتا ہے، خود وقف نہیں بنتا۔

۴۔ وقف کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ (اغنیاء کے انتفاع کے بعد) بالآخر خیر کی کسی ایسی مد کے لیے ہو جو کبھی ختم نہ ہونے والی ہو، مثلاً: فقراء کے لیے ہو۔

ان قواعد پر مبنی تکافل کے نظام کا حاصل یہ ہے

تکافل (اسلامی انشورنس) کمپنی اپنے سرمایہ سے ایک وقف فنڈ قائم کرتی ہے، اس فنڈ کی شرائط میں سے ہے کہ اوّلاً وقف فنڈ کے جن ممبران کا کسی حادثہ میں نقصان ہو جائے، اس فنڈ کے منافع میں سے ان کے نقصان کی تلافی کی جائے گی اور بالآخر وہ نیکی

کے کاموں کے لیے مثلاً: فقراء کے لیے ہوگا۔

وقف فنڈ کا ممبر بننے کے لیے اس میں ایک خاص چندہ دینا ہوگا، جو ہر نوع کی انشورنس کے مطابق ہوگا۔

یہ وقف فنڈ خود ایک معنوی شخصیت رکھتا ہے، جس کی بنیاد پر وہ مالک بنتا بھی ہے اور بناتا بھی ہے۔ لہٰذا انشورنس پالیسی لینے والے اس کو جو چندہ دیتے ہیں، وہ اس کا مالک بن جاتا ہے، پالیسی لینے والوں کو نقصان کی تلافی میں بیمہ کی جو رقم ملتی ہے وہ ان کے چندے کا عوض نہیں ہوتی، بلکہ وقف فنڈ کی شرائط کے مطابق اس کے حق دار بننے کی وجہ سے ملتی ہے۔

خود تکافل کمپنی دو طرح سے کام کرتی ہے:

ا۔ وہ وقف کے متولی کی طرح وقف فنڈ کا انتظام کرتی ہے، یعنی: انشورنس پالیسی لینے والوں سے چندے وصول کرتی ہے، حق داروں کے نقصان کا تدارک کرتی ہے۔ اور فنڈ کے علیحدہ سے حسابات رکھتی ہے۔ ان خدمات پر تکافل کمپنی اجرت لیتی ہے۔

۲۔ وقف فنڈ کی وقف شدہ اور مملوکہ (چندے کی) رقموں پر وکیل بالاجرت یا مضارب بن کر کام کرتی ہے اور اپنے حصہ کا نفع یا اجرت لیتی ہے۔

تکافل کے نظام کی بنیادیں

مذکورہ بالا تفصیل سے تکافل کے نظام کی جو بنیادیں سامنے آئیں ہیں، وہ یہ ہیں:

ا۔ منقولہ اشیاء مثلاً: نقدی کا وقف صرف اپنی ذات پر یا دیگر اغنیاء پر جائز ہے، جب کہ بالآخر وجوہِ خیر کے لیے ہو۔

۲۔ وقف کو چندہ دینا ایک مستقل معاملہ ہے اور وقف کے قواعد کے مطابق چندہ دینے والے کا نقصان کی تلافی کا حق دار ٹھہرانا بالکل دوسرا معاملہ ہے، دونوں ایک دوسرے

کا عوض نہیں۔

۳۔وقف فنڈ اور تکافل کمپنی دونوں ہی شخصِ قانونی ہیں اور کمپنی کے ڈائریکٹرز کمپنی سے غیر شخصیتیں ہیں۔

تکافل کے نظام کی یہ تینوں بنیادیں باطل ہیں؛

تکافل کے نظام کی یہ تینوں بنیادیں باطل ہیں، اس دعوے کو ہم قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

پہلی باطل بنیاد:

اس کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اونٹوں اور گھوڑوں کو فی سبیل اللہ وقف کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ثم إذا عرف جواز وقف الفرس والجمل في سبيل الله، فلو وقفه على أن يمسكه مادام حيا،إ ن أمسكه للجهاد جاز له ذلك لأنه لو لم يشترط كان له ذلك، لأن لجاعل فرس السبيل أن يجاهد عليه وإن أراد أن ينتفع به في غير ذلك، لم يكن له ذلك وصح جعله للسبيل يعني: يبطل الشرط ويصح وقفه"۔(فتح القدير: ٢١٩/٦)

ترجمہ : پھر جب گھوڑے اور اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کرنے کا جواز معلوم ہوا تو اگر کسی نے اس شرط کے ساتھ گھوڑے کو وقف کیا کہ وہ اپنی زندگی بھر اسکو اپنے پاس رکھے گا تو اسمیں دو صورتیں ہیں:

(۱) اگر اس پر خود جہاد کرنے کے لئے اس کو اپنے پاس

رکھا تو یہ اس کے لئے جائز ہے، کیونکہ اگر وہ یہ شرط نہ بھی کرے تب
بھی اسکو حق حاصل ہے کہ خود اس پر جہاد کرے۔

(۲) اور اگر وقف کرنے والے کی مراد یہ ہے کہ وہ
گھوڑے کو اپنے دیگر ذاتی کاموں میں استعمال کرے تو یہ اس کے
لئے جائز نہیں اور اسکا وقف تو صحیح ہوگا لیکن شرط باطل اور کالعدم
ہوگی۔

اس حوالہ سے بخوبی واضح ہے کہ منقولہ اشیاء مثلاً: نقدی اور گھوڑے وغیرہ میں اگر وقف اس طرح کیا کہ اول تو صرف وہ خود یا اس کی اولاد یا دیگر اغنیاء اس سے فائدہ اٹھائیں گے پھر بالآخر وہ فقراء میں یا کسی اور نیک کام میں وقف ہو تو یہ صورت جائز نہیں۔ ہاں اگر وجوہِ خیر میں فوری وقف کر دے اور ایک حق دار بن کر کوئی غنی بھی فائدہ اٹھائے تو جائز ہے، مثلاً: نقدی وقف کی کہ اس کے منافع سے مدرسہ کے طلبہ کے لیے ٹھنڈے پانی کا بندوبست کیا جائے تو فقراء کی طرح اغنیاء کے بچے بھی اس سے نفع اٹھا سکتے ہیں اور اگر یوں کہا جائے کہ پہلے دس سال صرف اغنیاء کے بچوں کے لیے وقف ہے، پھر فقراء کے بچوں کے لیے، تو یہ جائز نہیں۔

ہماری بات کے برعکس نظامِ تکافل میں مولانا تقی عثمانی مدظلہ اس بات کو جائز کہتے ہیں کہ تکافل کمپنی کے دائریکٹر اور سرمایہ اس طرح سے وقف کریں کہ وہ پہلے تو ایک طویل عرصہ کے لیے محض اغنیاء کے لیے وقف ہو پھر بعد میں کبھی فقراء کے لیے ہو اور اس پر وہ یہ دلیل دیتے ہیں:

في الذخيرة : إذا وقف أرضا وشيئا آخر وشرط
الكل لنفسه أو شرط البعض لنفسه مادام حيا وبعده

للفقراء، قال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: الوقف صحيح.
ومشائخ بلخ رحمهم الله أخذوا بقول أبي يوسف وعليه
الفتوى ترغيبا للناس في الوقف......ولو قال: أرضي هذه
صدقة موقوفة تجري غلتها على ماعشت، ثم بعدي على
ولدي وولد ولدي ونسلهم أبدا ما تناسلوا، فإن انقرضوا
فهي على المساكين، جاز ذلك، كذا في خزانة المفتين۔

ترجمہ: ذخیرہ میں ہے: جب کوئی شخص کوئی زمین یا کوئی اور شے وقف کرے اور یہ شرط کرے کہ جب تک وہ زندہ ہے وہ کُل وقف کو یا اس کے ایک حصہ کو اپنے استعمال میں رکھے گا تو ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ وقف صحیح ہے اور مشائخ بلخ نے ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا اور اسی پر فتوی ہے تا کہ لوگوں کو وقف کرنے میں رغبت رہے......اور اگر کوئی شخص یوں کہے کہ میری یہ زمین صدقہ وقف ہے اور جب تک میں زندہ ہوں اسکی آمدنی لوں گا اور میرے بعد میری اولاد پر اور اولاد کی اولاد نسل چلنے تک لے گی، پھر جب میری نسل ختم ہو جائے تو وہ مساکین پر وقف ہے تو جائز ہے، ''خزانۃ المفتین'' میں ایسے ہی مذکور ہے۔

ہم کہتے ہیں :

مولانا عثمانی مدظلہ نے دعویٰ کیا نقدی جیسی منقولہ شے کو اولاً اغنیاء پر اور بالآخر فقراء پر وقف کرنے کا، لیکن دلیل دی غیر منقولہ شے یعنی: زمین وعمارت کو اس طرح وقف کرنے کی، حالاں کہ دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ غیر منقولہ جائداد خود ابدی ودائمی ہوتی

ہے، جبکہ نقدی اور دیگر منقولہ اشیاء میں ابدیت و دوام کی توقع ہی نہیں ہوتی بلکہ نقدی میں تو خطرہ ہوتا ہے کہ کاروباری نقصان کے باعث اصل رقم کل یا کچھ جاتی رہے جبکہ دیگر منقولہ اشیاء مثلاً بہت سے برتن، کتابیں اور مصاحف وغیرہ تیس چالیس سال کے استعمال سے بوسیدہ ہو جاتے ہیں اور کسی دوسرے کے کام کی نہیں رہتے۔ علاوہ ازیں وہ کسی حادثے کا شکار بھی ہو سکتی ہیں اور چوری بھی ہو سکتی ہیں، اس لئے نقدی سمیت منقولہ اشیاء میں صرف یہی صورت ممکن ہے کہ آدمی ان کو وجوہ خیر اولاً ہی وقف کر دے اور شرط کر دے کہ دیگر حق داروں کی طرح وہ خود بھی نفع اٹھائے گا یا وقف کے منافع کا حقدار ہونے کی وجہ سے دوسرے حقداروں کے ساتھ شریک ہوگا۔

مولانا عثمانی مدظلہ کے دارالعلوم کے جناب مفتی عصمت اللہ اور ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی نے ہماری بات پر یہ اعتراض کیا:

> ''شروع میں شیئر ہولدرز نے کچھ رقم وقف کر کے ایک فنڈ قائم کیا، اس مرحلہ پر یہ وقف الدراہم یا وقف النقود ہے اور صرف یہی وقف ہے، اس میں واقفین نہ وقف علی النفس کی کوئی شرط لگاتے ہیں اور نہ ہی انتفاع کی کوئی شرط لگاتے ہیں، بلکہ وہ وقف کر کے اس فنڈ کے انتفاع سے فارغ ہو گئے...... جہاں تک چندہ کا تعلق ہے تو وہ وقف ہے ہی نہیں، بلکہ وہ مملوکِ فنڈ ہے، جس میں وقف علی النفس کی بحث نہیں آتی، کیوں کہ یہ وقف ہی نہیں''۔ (تحریر نمبر:۱،ص:۲)

> ''آپ نے وقف النقود میں علی الاغنیاء المتضررین کو بھی ناجائز قرار دیا، لیکن اس کی کوئی دلیل ہمیں نہیں ملی، جب کہ اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی''۔ (تحریر نمبر:۲،ص:۱)

''نیز یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ تکافلی نظام میں وقف کی شرائط میں اغنیاء کی کوئی قید مذکور نہیں، بلکہ متضرر کوئی بھی ہوسکتا ہے، خواہ وہ غنی ہو یا فقیر ہو''۔

ہم یہ کہتے ہیں

ان دو حضرات نے ہم پر تین اعتراض کیے ہیں، ہم ایک ایک کر کے ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں:

پہلا اعتراض

ہم نے جو وقف علی النفس کا تذکرہ کیا ہے، وہ بے جا کیا ہے، کیوں کہ تکافل کے نظام میں وقف علی النفس (اپنی ذات پر وقف) کی شرط ہوتی ہی نہیں۔

جواب

یہ تو ہم نے بھی کہیں نہیں لکھا کہ تکافل کے نظام میں وقف علی النفس کی شرط ہوتی ہے، پھر بھی ہم نے نقدی اور دیگر منقولہ اشیاء میں جو وقف علی النفس کا ذکر کیا ہے، اس کی دو وجہیں ہیں:

☆ تکافل کے نظام میں وقف فنڈ اولاً انشورنس پالیسی لینے والوں کے لیے ہوتا ہے، جو عام طور پر مال دار ہوتے ہیں اور بالآخر فقراء کے لیے ہوتا ہے۔ پھر اپنی ذات پر وقف ہو یا دوسرے مال داروں پر دونوں میں جو اصل مطلوب ہے، یعنی: فقراء پر وقف، وہ مؤخر ہے، اس لیے دونوں کو شرعی حکم اور شرعی حیثیت یکساں ہے کہ ناجائز ہے۔ تو وقف علی النفس کے عدمِ جواز کو ذکر کرنے سے وقف علی الاغنیاء کے عدمِ جواز کا حکم بھی سامنے آگیا۔

☆ باوجودیکہ تکافل کے نظام میں وقف علی النفس کی شرط نہیں ہے، صرف

نقصان کا شکار ہونے والے ممبران کا ذکر ہے، لیکن مولانا عثمانی مدظلہ نے وقف کی اساس پر تکافل کا تفصیلی نظام دیا ہے اور اس میں اس کے چار قواعد ذکر کیے ہیں، ان میں سے ایک وقف علی النفس کے جواز کو ذکر کیا ہے اور اس کے جواز سے انہوں نے نقصان کا شکار ہونے والے اغنیاء کے لیے وقف کو جائز کہا۔ اسی کی مناسبت سے ہم نے نقدی اور دیگر منقولہ اشیاء میں وقف علی النفس کے عدمِ جواز کو ثابت کیا اور اس کے عدمِ جواز سے اغنیاء پر وقف کو بھی ناجائز کہا۔

دوسرا اعتراض

ہم نے نقصان کا شکار ہونے والے مالدار ممبران (اغنیاء متضررین) پر وقف کو ناجائز کہا حالانکہ اس کی کوئی دلیل ان دو حضرات کو نہیں ملی۔

جواب

جب وقف علی النفس اور وقف علی الاغنیاء کی شرعی حیثیت اور شرعی حکم یکساں ہے اور نقدی و دیگر منقولہ اشیاء میں وقف علی النفس کے عدمِ جواز کی دلیل ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں تو جو ایک کی دلیل ہے وہی دوسرے کی بھی دلیل ہے۔

تیسرا اعتراض

تکافل کے نظام میں وقف کی شرائط میں نقصان کا شکار ہونے والوں کے لیے مال دار ہونے کی شرط مذکور نہیں، وہ فقیر بھی ہوسکتا ہے۔

جواب

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ تکافلی نظام میں وقف کی شرائط میں اغنیاء کی کوئی قید مذکور نہیں، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ واقع میں انشورنس پالیسی لینے والا بھی کوئی فقیر

نہیں ہوتا۔ضرور غنی ہی ہوتا ہے۔ مثلاً: نئی کار خرید کر اس کی انشورنس کروانے والا فقیر نہیں ہوتا۔

دوسری باطل بنیاد: چندہ اور نقصان کی مالی تلافی ایک دوسرے کا عوض نہیں

اپنی کتاب ''جدید معاشی مسائل'' میں ہم نے تفصیل سے اس بحث کو ذکر کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ وقف فنڈ کے ساتھ انشورنس پالیسی لینے والے کا معاملہ اور عقد بہرحال معاوضہ کا ہے۔ مختصر دلیل یہ ہے:

☆عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے، الفاظ کا نہیں اور زیرِ بحث معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ:

> ''وقف شخصِ قانونی ہے اور وہ پالیسی ہولڈر سے کہتا ہے کہ تم مجھے چندہ دو تو حادثے کی صورت میں تمہیں تلافی کی رقم دوں گا اور تھوڑا چندہ دو گے تو تھوڑی تلافی کروں گا، (اور) زیادہ (چندہ) دو گے تو زیادہ (تلافی) کروں گا''۔ (جدید معاشی مسائل، ص: ۱۱۶، ۱۱۷)

لیکن جناب مفتی عصمت اللہ اور جناب ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی نے اگرچہ ہماری بات کے خلاف کوئی دلیل بھی نہیں دی، لیکن اپنی بات پر اصرار جاری رکھتے ہوئے لکھا:

> ''یہاں دونوں اپنی نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ معاملات ہیں، کیوں کہ چندہ دہندگان کو نقصان کی تلافی کا فائدہ اس کی کسی شرط کی وجہ نہیں مل رہا، بلکہ وہ تو فند کو چندہ دے کر فنڈ کا رکن بن گیا، اب اس کو فائدہ واقفین کی شرط کی وجہ سے منجملہ موقوف علیہم میں شامل ہونے پر مل رہا ہے، جو کہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے عطاء

مستقل ہے، اور واقفین کو اس بات کا اختیار ہے کہ وقف میں یہ شرط
لگائیں کہ اس وقف کے موقوف علیہم وہ لوگ ہوں گے جو اس فنڈ کے
رکن ہوں گے۔ چوں کہ یہ شرط کسی شرعی اصول سے متصادم نہیں ہے،
اس لیے اس ء ناجائز کہنے کی کوئی وجہ یا دلیل موجود نہیں، جیسا کہ عام
طور پر مختلف برادریوں میں اس طرح کے فنڈ بنائے جاتے ہیں، لہٰذا
اس کو عقدِ معاوضہ کہنا درست نہیں، عقدِ معاوضہ اس وقت ہوتا کہ
چندہ کمپنی مالکان کو دیا جاتا، کمپنی مالکان اس چندہ کے مالک بنتے اور
پھر کمپنی مالکان نقصان کی تلافی کرتے''۔ (تحریر نمبر:۱، ص:۴)

ہم کہتے ہیں

1۔ جہاں تک برادریوں کے فنڈ اور تکافل فنڈ کے درمیان فرق کا تعلق ہے تو وہ بہت سے ہیں:

☆ عام طور پر برادریوں کے فنڈ سے استفادہ مال داروں کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ غریبوں کے لیے ہوتا ہے یا جو کسی حادثہ میں غربت کے درجہ میں آجائیں، ان کے لیے ہوتا ہے۔

☆ امداد باہمی فنڈ میں یہ نہیں ہوتا کہ جو جتنا زیادہ چندہ دے گا اس کو تدارک اتنا زیادہ ملے گا، بلکہ ہر ایک کی ضرورت کے بقدر یا ہر ایک کو مخصوص رقم ملتی ہے، اگرچہ میں واقعی وہ چندہ کم دیتا ہے۔

☆ تکافل فنڈ پہلے سے قائم ہوتا ہے، جس کے ساتھ کمپنی کے شرکاء کا مفاد وابستہ ہوتا ہے، کیوں کہ وہ مضارب بن کر یا وکیل بن کر روپیہ کماتے ہیں۔ اس کے برعکس امداد باہمی فنڈ کے متولی بھی چندے کو کسی دوسرے کو مضاربت پر دیتے ہیں، لیکن خود کوئی کمائی

نہیں کرتے۔

☆ امداد باہمی میں ارکان اکٹھے ہو کر ہر ایک کے فائدے کا سوچتے ہیں، جب کہ جب کہ تکافل میں وقف فنڈ رکن صرف اپنے فائدے کا سوچتا ہے، جو بھی تکافل کمپنی میں جاتا ہے، اس کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ دوسروں کو کیا مل رہا ہے؟!

اگر اغنیاء و مال دار محض اپنے فائدے کے لیے تکافل کے طرز پر امداد باہمی کا فنڈ قائم کریں اور تکافل کے طرز پر ہی اس کو چلائیں، تو یقیناً وہ بھی درست نہ ہوگا۔

2۔ ان حضرات کا یہ کہنا کہ "عقدِ معاوضہ اس وقت ہوتا کہ چندہ کمپنی مالکان کو دیا جاتا، کمپنی مالکان اس چندہ کے مالک بنتے اور پھر کمپنی مالکان نقصان کی تلافی کرتے"، اگر یہ حضرات کچھ توجہ فرماتے تو اس کا جواب ہماری اوپر نقل کردہ دلیل میں موجود تھا۔ پھر بھی ہم جواب کو مزید واضح کرتے ہیں:

مولانا تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں:

"إن الوقف له شخصية معنوية، يتمكن بها من أن يتملك الأموال ويستثمرها ويملكها".

(ترجمہ: وقف فنڈ کا کوئی مالک نہیں ہوتا، اس کی خود اپنی معنوی شخصیت ہوتی ہے، جس کے ذریعے وہ مالک بنتا ہے اور مالک بناتا ہے)۔

ہم کہتے ہیں

مفتی عصمت اللہ صاحب اور مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب کے بقول اگر چندہ کمپنی مالکان کو دیا جاتا اور وہ اس کے مالک بنتے اور پھر وہ نقصان کی تلافی کرتے تو یہ عقد معاوضہ بنتا۔ یہ حضرات شخصِ قانونی میں مالک بننے اور بنانے اور ذمہ دار بننے اور بنانے کی

صلاحیت مانتے ہیں۔ پھر جب چندہ دہندگان وقف فنڈ کو چندہ دیتے ہیں اور وقف فنڈ اس کا مالک بن جاتا ہے اور وقف فنڈ چندے کی بنیاد پر (ہی) نقصان کی تلافی کرتا ہے (کیوں کہ وقف فنڈ کی شرط یہ ہے کہ جو اس وک چندہ دے گا وہ اسی کے نقصان کی تلافی کرے گا) تو یہ بھی عقدِ معاوضہ ہوا اور دونوں کی حقیقت تو ایک ہوئی۔ جب ایک عقدِ معاوضہ ہے تو دوسری جگہ بھی عقدِ معاوضہ ہوگا۔

اور عقدِ معاوضہ ہوتے ہوئے تلافی کی بیشی کے ساتھ ہو تو سود بن جاتی ہے اور تلافی کے غیر یقینی ہونے کی وجہ سے قمار (جوا) بن جاتا ہے۔ اور بعینہٖ یہی خرابیاں غیر اسلامی انشورنس میں ہیں۔

تیسری باطل بنیاد: تکافل کمپنی کا خود ہی رب المال ہونا اور خود ہی مضارب ہونا

چوں کہ ایک ہی شخص رب المال بھی ہو اور مضارب بھی ہو، یہ جائز نہیں، اس لیے ہم نے اس باطل بنیاد کی نشاندہی کی۔ اس پر مفتی عصمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی صاحب جواب میں لکھتے ہیں:

> ''جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کمپنی خود ہی رب المال اور خود ہی مضارب بنتی ہے، یہ درست نہیں، بلکہ اس صورت میں وقف فند کا پول جو کہ شخصِ قانونی ہے وہ رب المال ہوتا ہے، اور کمپنی مضارب ہے''۔ (تحریر نمبر:۱، ص:٦)

ہم کہتے ہیں:

ہماری بات غلط نہیں، کیوں کہ اِن حضرات کے بقول وقف فنڈ بھی شخص قانونی ہے اور کمپنی بھی شخصِ قانونی ہے، جس کی طرف اگرچہ حقوق و ذمہ داریوں کی نسبت کہ جاسکتی ہے، لیکن وہ خود معنوی اور اعتباری ہوتا ہے، یعنی: گونگا بہرا بلکہ بے جان ہوتا ہے۔ حقوق

کے تحفظ اور ذمہ داریوں کی ادائیگی اور معاملات کی تعبیر کے لیے اس کو شخصِ حقیقی یعنی متولی کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا حقیقت میں تو کمپنی جو کہ شخصِ قانونی ہے دوسرے شخصِ قانونی یعنی وقف فنڈ کی متولی نہیں بن سکتی۔ ان دونوں کے متولی تو ڈائریکٹرز بن سکتے ہیں، جو اشخاص حقیقی ہیں۔ اب وہ ڈائریکٹرز جب ایک شخص قانونی کو رب المال اور دوسرے شخصِ قانونی کو مضارب بناتے ہیں اور دونوں کے متولی وہ خود ہیں، تو در حقیقت وہ خود ہی رب المال بھی بنتے ہیں اور خود ہی مضارِب بھی بنتے ہیں۔ کیوں کہ دونوں (شخصِ قانونیوں) کے مُعبّر وہ خود ہیں، اور یوں کہتے ہیں کہ ہم روپیہ مضاربت پر دیتے ہیں اور ہم مضاربت پر لیتے ہیں۔ اور چوں کہ کمپنی کے اِن ڈائریکٹرز کو عام طور سے کمپنی کہہ دیا جاتا ہے، اس لیے ہمارا یہ کہنا درست ہے کہ یہاں کمپنی خود ہی رب المال ہے اور خود ہی مضارِب ہے۔

مولانا تقی عثمانی مدظلہ کا خیال ہے کہ

"والظاهر أنه لا مانع من كونها متولية للوقف و مضاربة في أموالها في وقتٍ واحدٍ.......... فإن الفقهاء أجازوا لناظر الوقف أن يستأجر أرض الوقف بأجرة المثل عند بعضهم وبما يزيد على الأجرة المثل عند الآخرين (الفتاوىٰ الهندية: ٤٢١/٢) فيمكن أن تقاس عليه المضاربة وإن لم أره في كلام الفقهاء بصراحة".

''ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ کمپنی ایک ہی وقت میں وقف فنڈ کی متولی بھی ہو اور اس کے اموال میں مضارب بھی ہو، اس سے کوئی مانع نہیں ہے، ....کیوں کہ فقہاء نے وقف کے ناظر کے لیے یہ جائز بتایا ہے کہ وہ وقف کی زمین کو خود اجرتِ مثل یا اس سے زائد

کے عوض کرایہ پر لے لے۔ (الفتاویٰ الہندیہ) اس پر مضاربت کو قیاس کیا جا سکتا ہے، اگرچہ اس کی تصریح مجھے فقہاء کے کلام میں نہیں ملی''۔

مولانا عثمانی مدظلہ کی اس بات پر ہم نے لکھا تھا:

''یہ بات غور طلب ہے کہ فقہاء نے ناظر کے لیے وقف کی زمین کو اجرت پر لینے کے جواز کی تصریح کی اور ناظر کے مضارب بننے کی تصریح نہیں کی۔ آخر ان دونوں میں کچھ فرق ہو گا تب ہی تو فقہاء نے بظاہر فرق رکھا ہے۔

اور وہ فرق یہ ہے کہ وقف اراضی کوئی غصب کر لے تو اگرچہ وہ اجرت پر دینے کے لیے نہ ہو تب بھی تب بھی غاصب کو اس کی اجرتِ مثل دینی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر ناظر یا متولی وقف کی اراضی کو خود اجرت پر لے لے تو اگرچہ وہ معروف طریقے پر اجارہ نہیں ہے، لیکن اجرتِ مثل واجب ہونے کی وجہ سے اس کو مجازاً اجارہ کہہ دیا مضاربت میں حقیقی یا مجازی کوئی بھی صورت بھی نہیں بنتی، اس لیے مضاربت کو اجارہ پر قیاس کرنا ممکن نہیں ہے''۔ (جدید معاشی مسائل، ص: ۱۲۸، ۱۲۹)

ہماری اس بات کے جواب میں مفتی عصمت اللہ صاحب اور مولانا اعجاز احمد صمدانی صاحب دو باتیں لکھتے ہیں:

ا۔ ''یہ بات صحیح ہے کہ فقہاء کرام نے متولی وقف کو صرف اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ مالِ وقف کو اجرت پر دے، مال

وقف کو مضاربت پر دینے کی اجازت منقول نہیں، لیکن منع بھی تو منقول نہیں''۔(تحریر نمبر:۱،ص:۵)

ہم کہتے ہیں:

یہی بات تو غور طلب ہے کہ آخر فقہاء نے اجارے کے جواز کی تصریح کیوں کی اور مضاربت کے جواز کی تصریح کیوں نہ کی؟ محض منقول نہ ہونا جواز کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۲۔''آپ کا یہ کہنا کہ مضاربت کو اجارہ پر قیاس کرنا درست نہیں، جس کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی:

''شئے مستاجر غصب ہو جائے یا متولی وقف خود اجرت پر لے تو اجرتِ مثل دینے پڑتی ہے، جب کہ مضاربت میں ایسا نہیں ہوتا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اجرت میں وقف کا نقصان نہیں ہوتا، جب کہ مضاربت میں نقصان ہوسکتا ہے''۔

یہ فرق اگر چہ قابلِ لحاظ ہے لیکن مضاربت کی صورت میں نقصان وقف کا احتمال تو اس صورت میں بھی رہتا ہے، جہاں مضارب ناظر یا متولی نہ ہو بلکہ کوئی اور شخص ہو، حالاں کہ اس کو فقہاء نے صراحۃً جائز قرار دیا ہے، نیز! اس معاملے کو اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ مضاربت اور اجارہ دونوں آمدنی کے ذرائع ہیں، جن سے وقف کا فائدہ ہوتا ہے، تو جہاں رقم ڈوبنے کا اندیشہ نہ ہو، وہاں وقف کی اشیاء و مملوکات سے نفع حاصل کرنے کی گنجائش ہونی چاہیے، خصوصاً جب کہ وقف یا اس کے مملوکات ایسی چیزیں ہوں کہ انہیں کرایہ پر دینا ممکن نہ ہو، جیسے نقد [illegible] ایسی صورت میں مضاربت

پر مال دینے کی بدرجہ اولیٰ گنجائش ہوگی۔

كما هو مذكور في الشامية، "قوله: ولا من يقبله مضاربة إلخ، في البحر عن جامع الفصولين: إنما يملك القاضي اقراضه إذا لم يجد ما يشتريه له يكون غلة لليتيم لا لو وجده أو وجد من يضارب لأنه أنفع.......... وما قيل إن مال المضاربة أمانة غير مضمون فيكون الإقراض أولى، فهو مدفوع بأن المضاربة فيها ربح بخلاف القرض". ج: ٤، ص: ٤٨٧. (تحریر نمبر:۱،ص:۵)

ہم کہتے ہیں:

اگر چہ ہم نے فرق قدرے مختلف لکھا تھا لیکن یہاں ہم اسی نکتہ کا جواب دیتے ہیں، جو ان دوحضرات نے لکھا ہے۔

وقف کا ناظر یا متولی اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ وقف کے حقوق اور منافع کی دیکھ بھال کر سکے اور صحیح دیکھ بھال وہ اس وقت کر سکتا ہے، جب وہ دوسرے کو اجارہ یا مضاربت پر دے، کیوں کہ اس کی وجہ سے مستاجر یا مضارب پر کچھ رکاوٹ ہوگی کہ وہ کسی قسم کا غبن یا دھوکہ نہ کرے اور وقف کو نقصان نہ پہنچائے۔

پھر اجارہ میں یہ تو نظر آیا کہ اس میں اجرتِ مثل کا معیار موجود ہے۔لہٰذا اگر ناظر یا متولی وقف کی چیز خود بھی اجارہ پر لے لے تو اس سے اجرتِ مثل کے ضابطہ پر عمل کرایا جا سکتا ہے،مضاربت میں ایسا کوئی ضابطہ اور معیار نہیں ہے۔ یہ مضارِب کی دیانت پر ہے کہ وہ صحیح طریقے سے کام کرے یا غلط طریقے سے، نفع دکھائے یا نقصان دکھائے۔ اگر رب المال علیحدہ ہو تو اس کی پوچھ گچھ کے خوف سے کام عام طور سے صحیح ہوتا ہے اور اگر مضارب

خود ہی وقف کا متولی ہو اور رب المال ہو تو اس کو کسی کی پوچھ گچھ کا خوف نہ ہوگا اور چوں کہ طبائع میں فساد کا غلبہ ہے، لہٰذا لوگوں میں خیانت اور دھوکہ غالب ہے۔ ایسے میں اصولی طور پر وقف کے ناظر ومتولی کو وقف کے مال میں مضارب بننے کو جائز نہیں کہا جا سکتا۔

شامیہ کے دیئے گئے حوالے سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں ہے کہ قاضی اگر مضاربت پر کام کرنے والا پائے تو وہ یتیم کا مال اس کو مضاربت پر دے سکتا ہے، کیوں کہ مضارب کو قاضی کی پوچھ گچھ کا خوف ہوگا۔

☆☆..........☆..........☆☆

بابِ چہارم

ماہنامہ محدث، شمارہ نمبر:۸، شعبان المعظم/۱۴۲۹ھ بمطابق اگست/۲۰۰۸ء
میں شائع ہونے والا ایک مضمون
جناب مولانا حافظ ذوالفقار علی صاحب مدظلہ
ابوہریرہ شریعہ کالج، لاہور

''شرعی اور مروجہ تکافل کا تقابلی جائزہ''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرعی اور مروجہ تکافل کا تقابلی جائزہ

مولانا حافظ ذوالفقار علی
ابو ہریرہ شریعہ کالج، لاہور

کچھ عرصہ سے بعض مالیاتی ادارے اسلامی بینکوں کی طرز سود، غرر اور قمار پر مشتمل انشورنس کا متبادل نظام بڑے زور و شور سے متعارف کرا رہے ہیں، جس کو'' تکافل'' کا نام دیا گیا ہے، جو ادارہ اس کا انتظام و انصرام کرتا ہے، اس کو تکافل کمپنی کہا جاتا ہے، جیسے'' پاک کویت جنرل تکافل کمپنی'' یا'' پاک قطر فیملی تکافل کمپنی'' وغیرہ۔ ان کمپنیوں کے بقول یہ نظام چوں کہ ہر سے شرعی اُصولوں کے عین مطابق ہے، اس لیے اس کو'' اسلامی انشورنس'' بھی کہا جاتا ہے، چوں کہ اس کام سے ان اداروں کی غرض نفع کمانا ہے، اس لیے ہم اس کو '' تجارتی تکافل'' بھی کہہ سکتے ہیں۔'' تکافل'' کا مفہوم اور شرعی تصور کیا ہے؟ شرعی اور تجارتی تکافل میں بنیادی فرق کیا ہے؟ نیز تجارتی تکافل کی شرعی اساس اور حکم کیا ہے؟ ذیل میں ان سوالوں کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

تکافل کا معنی و مفہوم

ہماری معلومات کے مطابق نہ تو قرآن وحدیث میں تکافل کا لفظ آیا ہے اور نہ ہی لغت کی قدیم کتب میں یہ لفظ ملتا ہے، البتہ قرآن وحدیث میں ایسے الفاظ ضرور استعمال ہوئے ہیں جن کا مادہ وہی ہے، جو تکافل کا ہے، یعنی: وہ الفاظ ک ف ل سے بنے ہیں۔

مثلاً: قرآن حکیم میں حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت اور تربیت کے حوالے سے ایک جگہ

﴿فتقبلها ربها بقبولٍ حسنٍ وانبتها نباتاً حسناً وكفلها زكريا﴾ (آل عمران: ۳۷)

''پھر اس کے رب نے اسے قبول کیا، قبول کرنا اچھا اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا''۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿اذ يلقون اقلامهم ايهم يكفل مريم﴾ (آل عمران: ٤٤)

''جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے مریم کی کفالت کرے''۔

یعنی پہلی آیت میں ''لفظ کَفَّلَ'' کفیل بنایا، اور دوسری میں ''یَکْفُلُ'' کفالت کرنے کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جب دو آدمی دیوار پھلانگ کر حضرت داؤد علیہ السلام کے کمرے میں داخل ہوئے تو ان میں سے ایک نے کہا:

﴿ان هذا اخي له تسع وتسعون نعجة ولي نعجة واحدة فقال اكفلنيها وعزني في الخطاب﴾ (ص: ۲۳)

''بے شک یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دُنبے ہیں اور میرے پاس ایک ہی دُنبہ ہے تو یہ کہتا ہے: وہ بھی میرے سپرد کر دے اور گفتگو میں مجھ پر غالب آجاتا ہے''۔

یہاں '' اَکْفِلْ '' سپرد کر دے کا لفظ آیا ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں بھی اس مادہ کے مختلف الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً: نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿انا وکافل الیتیم فی الجنة ھکذا﴾ (صحیح البخاری: ٤، ٥٣٠٤)

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے، آپ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، جیسے یہ دونوں اکٹھی ہیں''۔

☆ ابتہ لغت کی جدید کتب میں یہ لفظ زیر بحث آیا ہے، چناں چہ "المورد" میں تکافل کا معنی Joint Liability or responsibility; solidarity: لکھا ہے۔ یعنی ''مشترکہ ذمہ داری یا جواب دہی؛ باہمی اتفاق؛ مقاصد اور عمل کا اتحاد''۔

☆ مُعجم الطُّلاب میں ہے:

"تکافَلَ یتکافَلُ، تکافُلاً: تضامَنَ / تبادل الضمانة مع غیرہ"۔

''دوسرے کے ساتھ کا رنٹی کا تبادلہ کرنا''۔

☆ المعجم لغة الفقهاء میں تکافل کا معنی ومفہوم یوں بیان ہوا ہے:

"تبادل الإعانة والنفقة والمعونة (Solidarity) الرعاية والتحمل، ومنه تکافل المسلمین رعایة بعضهم بعضاً بالنصح والنفقة وغیر ذلك".

''کفالت، نفقہ اور اعانت کا تبادلہ (انگریزی میں سولیڈیریٹی) بمعنی خیال رکھنا اور برداشت کرنا اور اسی سے تکافل المسلمین ہے، یعنی مسلمانوں کا ایک دوسرے کا خیر خواہی اور خرچ وغیرہ کرکے خیال

اسلام میں تکافل کی اہمیت

اگرچہ قرآن وحدیث میں لفظ تکافل کا ذکر نہیں ہوا مگر ایک دوسرے کی ضرورتوں کا خیال رکھنا، خیر خواہی اور تعاون کرنا دین کا اہم مطالبہ ہے۔

☆ سید قطب شہیدؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''بلا شبہ اجتماعی تکافل ہی اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہے اور مسلمانوں کی جماعت پابند ہے کہ وہ اپنے کمزوروں کے مفادات کا خیال رکھے''۔ (فی ظلال القرآن: ۲۱۲/۱)

☆ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اسلام کا مکمل نظام تکافل کی بنیاد پر قائم ہے''۔ (۴۳۳/۳)

☆ ذیل میں اس موضوع کی بعض آیات اور احادیث نبویہ ﷺ ملاحظہ ہوں:

﴿والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله اولئك سيرحمهم الله ان الله عزيز حكيم﴾ (التوبة: ۷۱)

''مؤمن مرد اور دوسرے کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے اور برے کام سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم فرمائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہایت غالب خوب حکمت والا ہے''۔

یعنی: اہلِ ایمان کا شعار یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے معاون اور مددگار ہیں۔

☆ تکافل کی روح بھی یہی ہے۔ علامہ محمد رشید رضا لکھتے ہیں کہ

''اس آیت میں مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی جس دوستی کا ذکر ہے، وہ نصرت، اخوت اور محبت سب دوستیوں کو شامل ہے''۔ (تفسیر المنار: ۴۷۰/۱۰)

☆ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، اچانک ایک شخص اپنی سواری پر آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا، یعنی اپنی ضرورت کی چیز تلاش کرنے لگا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له)).

(صحيح مسلم: ۱۷۲۸)

''جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں، اور جس کے پاس زائد راشن ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس راشن نہیں''۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مال کی جو اصناف گنیں، سو گنیں، یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ زائد مال میں ہم میں سے کسی کا حق نہیں ہے''۔

اسلام کہتا ہے کہ اگر ایک مسلمان کو تکلیف ہو تو دنیا بھر کے مسلمان اس وقت تک بے چین رہیں جب تک اس کی تکلیف رفع نہ ہو جائے۔

☆ آپ ﷺ نے بڑی عمدہ مثال بیان کر کے اس کو یوں سمجھایا:

((ترى المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد إذا اشتكى عضوا تداعى له سائر جسده بالسهر

والحمی)) (صحیح البخاری: ٦٠١١)

''تو مسلمانوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے، محبت رکھنے اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا، اگر ایک عضو بیمار ہو جاتا ہے تو جسم کے تمام اعضاء بخار اور بیداری میں اس کے شریک ہوتے ہیں''۔

☆ ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: کہ اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ یہ قحط ختم نہ کرتے تو

"ما تركت أهل بيت من المسلمين لهم سعة إلا أدخلت معهم أعدادهم من الفقراء". (الأدب المفرد، باب المواساة في السنة والمجاعة، رقم: ٥٦٢)

''میں ہر صاحب حیثیت مسلمان گھرانے میں اتنے ہی غرباء داخل کر دیتا''۔

یعنی ایک امیر خاندان میں جتنے افراد ہوتے اتنے ہی غرباء داخل کر دیتا۔

اسلامی تکافل کی ہمہ گیریت

اسلام کا نظام تکافل اسلامی اخوت، معاشی احتیاج وضرورت اور تکریم انسانیت پر استوار ہے۔ اسلام اس سوچ کا قطعاً حامی نہیں کہ ہم پر صرف ان مستحقین کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو ہمارے ہم عقیدہ ہوں، قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

﴿لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبروهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين﴾ (الممتحنه: ٨)

''اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے حسن سلوک کرنے اور ان کے حق میں انصاف کرنے سے نہیں روکتا، جو تم سے دین کی بابت نہیں لڑے اور جنہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

☆ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((في كل ذات كبدٍ رطبةٍ أجرٌ))(صحيح البخاري: ٢٤٦٦)

''ہر جان دار میں ثواب ہے''۔ یعنی ہر جاندار کے ساتھ احسان کرنا باعثِ ثواب ہے۔

فقہاء کی رائے میں جو اہلِ ذمہ اپنے معاش کے حصول سے عاجز ہو جائیں ان کی ضرورت کے مطابق بیت المال سے وظیفہ جاری کیا جائے گا، امام ابن قیمؒ رقم طراز ہیں:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک ذمی بوڑھے کو دروازوں پر مانگتے دیکھا، تو بیت المال سے اس کے لیے وظیفہ جاری کر دیا''، اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی ایسا کیا تھا۔

(أحكام أهل الذمة، باب مَن لا يقدر مِن أهل الذمة أعطي من بيت المال)

☆ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل حیرہ سے کہا تھا کہ

''تم میں سے جو بوڑھا ہو جائے گا یا جس پر آفت آ جائے گی یا جو مال دار رہنے کے بعد غریب ہو جائے گا، وہ جب تک دار الاسلام میں رہے گا، اس کی اور اس کے بیوی بچوں کی کفالت بیت المال کرے

گا''۔ (کتاب الخراج از قاضی ابو یوسف)

ثابت ہوا کہ اسلام کے نظام تکافل کا فیض انتہائی وسیع ہے، جس سے اسلامی ریاست کا ہر مستحق شہری بلا تخصیص عقیدہ بقدر ضرورت مستفید ہوتا ہے۔

تکافل کی مختلف صورتیں

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق درجاتِ معیشت میں تفاوت اپنی جگہ مگر اس طرح سادہ زندگی گزارنے کا حق سب کو یکساں حاصل ہے کہ اس کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ اس امر کو یقینی بنانے کے لیے زکاۃ، عشر اور صدقہ فطر وغیرہ کا نظام دیا گیا ہے، اور معاشرہ میں دولت کو زیر گردش لانے اور غرباء کی بہبود میں زکاۃ کا کردار بہت نمایاں ہے، سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں:

"إن الزكاة فرع من فروع نظام التكافل الجتماعي في الإسلام". (في ظلال القرآن: ٤/ ٤١)

''زکاۃ اسلام میں تکافل اجتماعی کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے''

رمضان المبارک کے اختتام پر صدقہ فطر بھی تکافل اجتماعی کی ایک شکل ہے، تا کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک ہر شخص فقراء و مساکین کی دیکھ بھال میں حصہ دار بنے، ایسے ہی مال داروں کو فقیر عزیز و اقارب کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ٹھہرانا بھی تکافل میں شامل ہے، جب کہ نفلی صدقات اور ہنگامی حالات میں انفاق کا حکم اس سے الگ ہے۔ اسی طرح غیر ارادی طور پر قتل ہو جانے کی صورت میں دیت تنہا قاتل پر ڈالنے کی بجائے عاقلہ (قاتل کے بھائی، چچا اور ان کی اولاد) کو شریک کرنے کا حکم تکافل کی ہی عکاسی کرتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ اس کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والمعنى في ذلك أن جنايات الخطأ ودية الآدمي كثيرة،

فإيجابها على الجاني في ماله يجحف به، فاقتضت الحكمة إيجابها على العاقلة على سبيل المواساة للقاتل والإعانة له تحفيفا عنه". (المغني: ١٢/ ٢٤)

''اس میں حکمت یہ ہے کہ غیر ارادی طور پر ہونے والے جرائم بکثرت ہوتے ہیں، اور آدمی کی دیت بھی کافی زیادہ ہے، لہٰذا اس کو اکیلے خطاء کار کے مال میں واجب قرار دینا اس پر اس کے مال میں نا قابلِ برداشت ذمہ داری ڈالنے کے باعث ہے، چناں چہ حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ قاتل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بطورِ ہمدردی اور اعانت اس کی دیت واقلہ پر واجب قرار دی جائے''۔

بلکہ غیر ارادی قتل میں دیت کا حکم بذاتِ خود تکافل کی ایک صورت ہے اور وہ یوں کہ بعض دفعہ مقتول کے بچے کم سن ہوتے ہیں جن کی تعلیم و تربیت کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے، تو گویا اسلام نے دیت مقرر کر کے ان کی کفالت کا انتظام کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام نے تکافل کا ایک مضبوط نظام دیا ہے، اگر اس پر عمل ہو جائے تو تمام محتاجوں کی معاشی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں، لیکن بایں ہمہ اگر ضرورت پوری نہ ہو تو غنی مسلمانوں پر مزید خرچ لازم ہو جاتا ہے۔

اسلامی تکافل کی خصوصیت

اسلامی تکافل کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا بنیادی مقصد اپنے مستقبل کے خطرات کا تحفظ اور نقصانات کی تلافی ہرگز نہیں، اور نہ ہی اس کو بطورِ کاروبار اختیار کیا جاتا ہے، بلکہ اسلامی معاشرے کا یہ شعار ہونا چاہیے کہ اس کے تمام افراد باہم مددگار و معاون ہوں اور ضرورت مندوں اور مجبوروں کی مدد کریں۔

لیکن اگر کچھ ادارے تکافل کے نام پر یہ مطالبہ کریں کہ ہم آپ کی بیوی بچوں کی مدد تب کریں گے، جب آپ اتنے سالوں تک ہر ماہ ایک متعین رقم ہمیں وکالۃ یا مضاربۃ کی بنیاد پر کاروبار اور وقف فنڈ میں بطورِ چندہ دیں گے، تو اس سے اسلام کے تکافلِ اجتماعی کا مقصد [ہرگز] حاصل نہیں ہوگا۔

مروجہ تکافل اور اس کا طریقہ کار

ماضی قریب میں تکافل کی ایک نئی شکل سامنے آئی ہے، جس کا مقصد دوسروں کے ساتھ تعاون کے بجائے دراصل اپنے نقصان کا ازالہ ہوتا ہے اور اس کے منتظم بھی یہ کام بطورِ کاروبار کرتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ

☆ سب سے پہلے کچھ لوگ یا مالیاتی ادارے مل کر ایک کمپنی قائم کرتے ہیں، جس کو تکافل کمپنی کہا جاتا ہے۔ اس کمپنی کے ادا شدہ سرمایہ کا ایک حصہ وقف کر کے ایک پول بنایا جاتا ہے، یہ پول کسی کی ملکیت نہیں ہوتا، بلکہ اپنا الگ قانونی وجود رکھتا ہے، جب کہ کمپنی کی طرف سے پول میں ڈالی گئی رقم ان متاثرین کے لیے وقف ہوتی ہے جو پالیسی حاصل کرتے ہیں۔

☆ کمپنی مالکان وقف کی اس رقم کو وقف کے ایجنٹ (وکالہ) کی حیثیت سے یا مضاربہ کی بنیاد پر کاروبار میں لگاتے ہیں۔ نفع سے (وکالہ کی شکل میں) اپنی فیس یا (مضاربہ کی شکل میں) اپنا حصہ الگ کر کے نفع میں حاصل شدہ باقی رقم دوبارہ پول میں ہی جمع کر دیا جاتا ہے۔

☆ کمپنی لوگوں کو پالیسی حاصل کرنے کی ترغیب دیتی ہے، اور جو لوگ پالیسی حاصل کرتے ہیں وہ اس کے ممبران شمار ہوتے ہیں۔

☆ پالیسی حاصل کرتے وقت خواہش مند اپنی اَغراض پیشِ نظر رکھتے ہیں، کسی کا

مقصد یہ ہوتا ہے، کہ میری موت کے بعد میرے بچوں کی کفالت کے لیے ان کے پاس بیس لاکھ ہونا چاہیئے اور کسی کے پیشِ نظر کسی اور قسم کے متوقع نقصان کا ازالہ کرنا ہوتا ہے۔

☆ صرف وہی لوگ پالیسی حاصل کرنے کے اہل شمار ہوتے ہیں جو عمر وصحت اور آمدن کے لحاظ سے کمپنی کے معیار پر پورے اترتے ہیں، باقاعدہ طبی معائنہ کے ذریعہ ایک اندازہ کیا جاتا ہے، اگر کسی چیز کے متوقع نقصان کی تلافی مقصود ہو تو اس چیز کی حالت بھی دیکھی جاتی ہے۔

☆ پالیسی کی زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہوگی، یہ فیصلہ خواہش مند نے خود کرنا ہوتا ہے، جب کہ کم از کم مالیت خود کمپنی طے کرتی ہے۔

☆ ایسے ہی پالیسی کی زیادہ سے زیادہ مدت کمپنی طے کرتی ہے، البتہ کم سے کم مدت کا تعین وہ شخص خود بھی کر سکتا ہے، یاد رہے کہ کمپنی کی جانب سے پالیسی ہولڈر کو دی جانے والی رقم کا انحصار انہی دو باتوں پر ہوتا ہے۔

☆ چونکہ تکافل فنڈ کا انتظام وانصرام کمپنی کے ذمہ ہوتا ہے اس لیے کمپنی اس کی باقاعدہ فیس لیتی ہے، جس کو وکالہ فیس کہا جاتا ہے۔

☆ پالیسی کی رقم عموماً سالانہ اقساط میں جمع کروائی جاتی ہے، جب کہ شش ماہی یا سہ ماہی اقساط میں بھی جمع کروائی جا سکتی ہے۔

☆ پالیسی ہولڈر کی قسط سے سب سے پہلے ایلوکیشن فیس منہا کی جاتی ہے، یہ فیس پالیسی کی مالیت اور مدت کو مدنظر کر لی جاتی ہے۔ پہلی قسط سے ایک خطیر رقم اس مد میں چلی جاتی ہے۔ مثلاً: اگر پالیسی کی مدت ۲۰ سال یا اس سے زیادہ ہو اور قسط پندرہ سے پچیس ہزار تک ہو تو پاک قطر فیملی تکافل پہلی سالانہ قسط سے ۸۰ فی صد، دوسری سے ۲۰، تیسری سے ۱۰، چوتھی سے ۷، پانچویں سے بھی ۷، اور چھٹی سے لے کر دسویں قسط تک تین فی صد وصول

کرتی ہے۔

☆ ایلوکیشن فیس کے بعد ہر قسط کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک حصہ انوسٹمنٹ (بصورتِ مضاربت) یا فیس کے طور پر (بصورتِ وکالہ) اور دوسرا حصہ وقف پول کے لیے۔

☆ جو حصہ انوسٹمنٹ کے لیے ہوتا ہے اس سے بھی دو قسم کی فیس کاٹی جاتی ہے:

(۱) ایڈمن فیس: یہ ماہانہ بنیاد ون لیکن پالیسی کی مالیت اور مدت کے اعتبار سے مختلف مگر فکسڈ ہوتی ہے۔ مثلاً: پاک قطر فیملی تکافل کی کم از کم فیس ۶۵ روپے اور زیادہ سے زیادہ ایک سو دس روپے ماہانہ ہے۔ اس میں سالانہ آٹھ فی صد اضافہ بھی ہوتا ہے۔

(۲) مینجمنٹ انوسٹمنٹ فیس: پاک قطر فیملی تکافل کمپنی کی تقریباً ڈیڑھ فی صد ہے۔

☆ جنرل تکافل میں مکمل قسط وقف پول میں جمع ہوتی ہے، کمپنی وقف کو منظم کرنے اور اس کے سرمایہ سے کاروبار کرنے کی علیحدہ علیحدہ فیس لیتی ہے۔

☆ ہر تکافل کمپنی کا ایک دوسری کمپنی جس کو ''ری تکافل'' کہا جاتا ہے، سے معاہدہ ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ تکافل کمپنی پالیسی ہولڈر کی قسط کا کچھ حصہ ری تکافل کمپنی کو بھی دیتی ہے۔

☆ جو حصہ وقف پول میں جمع ہوتا ہے، وہ پالیسی ہولڈر کی ملکیت سے نکل کر وقف کی ملکیت میں چلا جاتا ہے۔ تاہم تجارتی تکافل کے حامیوں کے مطابق وہ خود بخود وقف نہیں ہوگا، بلکہ صرف وقف کی ملکیت ہوگا، جو وقف کے مصالح اور ان لوگوں پر خرچ ہوگا، جو وقف کی مد میں شامل ہوں گے۔ ملاحظہ ہو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا مقالہ "تأصيل التأمين التكافلي على أساس الوقف والحاجة الداعية إليه". (ص: ۱۰-۲)

☆ کمپنی ان دونوں کھاتوں میں جمع شدہ رقم سے پالیسی ہولڈراور وقف پول کے ایجنٹ کی حیثیت سے کاروبار کرتی ہے، جو نفع ہو، وہ وقف پول اور پالیسی ہولڈرز کے کھاتے میں جمع کردیا جاتا ہے، جب کہ وقف پول کا مکمل نفع وقف پول میں ہی جاتا ہے۔

☆ کلیمز کی ادائیگی میں عموماً سرمایہ دارانہ انشورنس کی شرطوں کو ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اگر کلیمز زیادہ ہونے کی وجہ سے وقف پول میں رقم کم پڑ جائے تو قانوناً کمپنی اس بات کی پابند ہوتی ہے ک وہ قرض حسنہ لے کر باقی کلیمز ادا کرے۔ البتہ یہ قرج خود کمپنی ہی وقف پول کو دیتی ہے، جو اس نے آئندہ سرپلَس سے وصول پانا ہوتا ہے۔

☆ اگر پالیسی ہولڈر بیماری یا حادثے کی وجہ سے قسط ادا کرنے کے قابل نہ رہے تو کمپنی ادا کرتی ہے، بشرطیکہ شروع میں یہ فیصلہ کرلیا جائے، کیوں کہ اس کے لیے اضافی رقم ادا کرنا لازم ہوتی ہے۔

مروجہ تکافل کی قسمیں:

بنیادی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) فیملی تکافل　　　　(۲) جنرل تکافل

فیملی تکافل:

فیملی تکافل کی اصطلاح لائف انشورنس کے متبادل استعمال ہوتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پالیسی ہولڈر کی ہر قسط کا کچھ انوسٹمنٹ کھاتے میں جاتا ہے اور کچھ وقف پول میں۔ یہاں کمپنی دو قسم کی الگ الگ ایجنسی فیس وصول کرتی ہے، ایک وقف پول کا منتظم ہونے کی حیثیت سے یہ وقف پول سے لی جاتی ہے اور دوسری پالیسی ہولڈر کا ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے یہ پالیسی ہولڈر کے کھاتے سے کاٹی جاتی ہے۔

اب اگر پالیسی ہولڈر متعینہ مدت سے پہلے فوت ہو جائے تو کمپنی اس کے ورثاء کو

ایک تو انوسٹمنٹ اکاؤنٹ میں سے پالیسی حاصل کرنے کی ابتداء سے لے کر فوت ہونے تک جمع کرائی گئی رقم مع اس نفع کے جو سرمایہ کاری سے حاصل ہوا، ادا کرے گی۔ اور دوسرا فوت ہو جانے کی وجہ سے پالیسی ہولڈر کے ذمے جو اقساط رہ گئی ہیں، وہ وقف پول سے ادا کرے گی، اور اگر پالیسی ہولڈر متعینہ مدت تک زندہ رہے تو پھر اس کو حسب ذیل فوائد حاصل ہوں گے:

☆ انوسٹمنٹ کھاتے میں جمع شدہ رقم، مع اس نفع کے جو اس دوران سرمایہ کاری سے حاصل ہوا۔

☆ وقف میں دیے گئے عطیہ کے تناسب سے، بشرطیکہ وقف پول میں سرپلس ہو۔

لیکن اگر کوئی شخص مدت مکمل ہونے سے قبل پالیسی سے نکلنا چاہے تو وہ صرف اپنی انوسٹمنٹ کھاتے میں موجود رقم اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کا حق رکھتا ہے، وقف پول میں دی گئی رقم پر اس کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

جنرل تکافل:

یہ اصطلاح جنرل انشورنس کی جگہ بولی جاتی ہے۔ یعنی: ممکنہ خطرات سے تحفظ کی پالیسی۔ اس میں قسط کی پوری رقم پول میں جاتی ہے، اور اگر دورانِ مدت وہ نقصان ہو جائے جس کی تلافی کے لیے پالیسی لی گئی ہے، تو ازالہ کر دیا جاتا ہے، بصورتِ دیگر سرمایہ دارانہ نظامِ انشورنس کی طرح پالیسی ہولڈر کو کچھ نہیں ملتا۔ البتہ یوں ہی کمپنی اپنی صواب دید پر کچھ بونس دے سکتی ہے۔

کیا مروجہ تکافل سود اور غرر سے پاک ہے؟

کمرشل انشورنس کو جن خرابیوں کی بنیاد پر حرام قرار دیا گیا ہے، ان میں سرفہرست

سود اور غرر (uncertainty) ہے۔ بادیٔ النظر میں یہ دونوں خرابیاں یہاں بھی پائی جاتیں ہیں۔ وہ یوں کہ اگر پالیسی ہولڈر مدت پوری ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کو پالیسی کے تحت طے شدہ رقم دی جاتی ہے، جس کا ایک حصہ اس نے ادا ہی نہیں کیا ہوتا۔

اور کمپنی قانونی طور پر اس کی پابند بھی ہوتی ہے، جب کہ غرر اس طرح کہ دونوں طرح کے احتمال ہیں، ممکن ہے، جس نقصان کے ازالہ کے لیے پالیسی لی گئی ہے، وہ پیش نہ آئے اور ادا کی ہوئی رقم رائیگاں جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ پیش آ جائے اور کمپنی کے ذمہ ادائیگی لازم ہو جائے۔

کیا یہ عقدِ معاوضہ نہیں؟

تجارتی تکافل کے حامی کہتے ہیں کہ اضافہ اور غرر تب ممنوع ہے، جب عقدِ معاوضہ (لین دین کی وہ صورت جس میں ایک فریق دوسرے سے معاوضہ لینے کا حق رکھتا ہے) میں ہو، جب کہ یہ ''عقدِ تبرع'' (Donation/صدقہ) ہے، لیکن یہ توجیہ درست نہیں۔ کیوں کہ پالیسی ہولڈر کو حاصل ہونے والے فوائد کا انحصار پالیسی مالیت کی کمی بیشی پر ہوتا ہے، یعنی پریمیم کم تو فائدہ بھی کم اور پریمیم زیادہ تو فائدہ بھی زیادہ ہوتا ہے، اور یہ سب باقاعدہ ایک معاہدے کے تحت ہوتا ہے، جس کی پابندی فریقین کے لیے لازمی ہوتی ہے اور اس کو قانونی تحفظ بھی حاصل ہے، حتیٰ کہ اگر کلیمز کی ادائیگی کے لیے رقم موجود نہ ہو تو (نام نہاد) وقف قرض لے کر یہ ادائیگی ممکن بناتا ہے، ایسی صورت میں اس کو عقدِ تبرع قرار دینا ناقابلِ فہم ہے۔

نیز! اس پر تبرع کی تعریف بھی صادق نہیں آتی، کیوں کہ تبرع کا معنیٰ ہے کسی کو کوئی چیز اس طرح دی جائے کہ معاوضے کی خواہش نہ رکھی جائے، جب کہ یہاں تو محرک ہی یہ ہے کہ مجھے اس کے عوض میں یہ فوائد حاصل ہوں گے۔

ایک تاویل کا جواب

مروجہ تکافل کے بعض حامی اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ پالیسی ہولڈر یہ فوائد دیئے گئے عطیات کی بنیاد پر نہیں، بلکہ وقف کے قوائد وضوابط کے تحت حاصل کرتا ہے، یعنی وہ یہ نہیں کہتا، چوں کہ میں نے وقف کو اتنا چندہ دیا ہے، اس لیے میں ان فوائد کا حق رکھتا ہوں، بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ ان قواعد کی بنیاد پر مجھے یہ فوائد حاصل ہونے چاہیے۔ یہ قانونی حق اس کو عقدِ معوضہ میں داخل نہیں کرتا.........مگر دووجوہ سے یہ تاویل عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔

(۱) ایک تو اس لیے کہ پالیسی ہولڈر کو قواعد وضوابط کے تحت اس دعویٰ کرنے کا حق بھی تو دی گئی رقم کے بدلے ہی حاصل ہوا ہے۔ اب آپ قواعد وضوابط کا نام لیں یا پریمیم کی کمی بیشی کا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

(۲) دوسرا اس لیے کہ پالیسی ہولڈر کی نظر تو ان فوائد پر ہوتی ہے، جو اس کو مستقبل میں اس کے بدلہ میں حاصل ہونا ہوتے ہیں۔ وہ قوائد وضوابط کے تحت حاصل ہوں یا دی گئی رقم کے عوض، اس کو اس سے دلچسپی نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت پالیسی حاصل کرتے وقت فوائد کے متعلق تو پوچھتی ہے مگر وقف کے قوائد وضوابط کے بارے میں سوال نہیں کرتی۔

ایک مجلس میں راقم نے ایک مشہور تکافل کمپنی کے سینئر کنسلٹنٹ سے پوچھا کہ کیا آپ پالیسی حاصل کرنے کے خواہش مندون کو قواعد وضوابط سے آگاہ کرتے ہو، تو انہوں نے صاف کہا کہ لوگ ہم سے یہ پوچھتے ہیں کہ ہمیں کیا ملے گا؟ قواعد وضوابط کے متعلق کبھی سوال نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن خرابیوں کی بناء پر روایتی انشورنس حرام ہے، تکافل ان سے پاک نہیں۔

کیا نقدی کو وقف کیا جا سکتا ہے؟

یہاں یہ بحث بھی بڑی اہم ہے کہ روپیہ پیسہ وقف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ تکافل کمپنی کی پوری عمارت اس پر استوار ہے، لہٰذا ہم اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

اکثر فقہاء اور اہلِ علم کی رائے میں روپے پیسے اور درہم کا وقف ہی درست و جائز نہیں۔ چناں چہ! فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں ہے:

> وقال الشافعي: كل ما أمكن الانتفاع به مع بقاء أصله ويجوز بيعه يجوز وقفُه، وهذا قول مالك وأحمد أيضاً وأما وقف ما لا ينتفع به إلا بالاتلاف كالذهب والفضة والمأكول والمشروب فغير جائز في قول عامة الفقهاء والمراد بالذهب والفضة: الدراهم والدنانير وما ليس بحليّ.
>
> "امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ ہر وہ چیز جس کو باقی رکھ کر اس سے فائدہ حاصل کرنا ممکن ہو اور اس کی بیع بھی جائز ہو تو اس کا وقف بھی درست ہے۔ یہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی قول ہے، رہا اس چیز کا وقف جس کو صَرف کیے بغیر استفادہ ممکن نہ ہو، جیسے سونا، چاندی اور کھانے پینے کی اشیاء وغیرہ تو عام فقہاء کے نقطہ نظر سے ایسا وقف جائز نہیں ہے، سونے اور چاندی سے مراد درہم، دینار اور وہ سونا ہے، جو زیور کی شکل میں نہ ہو"۔

شارح بخاری علامہ ابن بطالؒ لکھتے ہیں:

> "قال أبو حنيفة و أبو يوسف لا يجوز وقف

الحيوان والعروض والدنانير والدراهم". (شرح صحيح بخاري: ٨/ ١٩٨)

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ جانور، سامان اور درہم و دنانیر کا وقف جائز نہیں۔

مشہور حنفی عالم علامہ محمد انور شاہ کاشمیریؒ لکھتے ہیں:

"وأعلم أن وقف المنقول لا يصح على أصل المذهب وأجازه محمدؒ في ما تعارفه الناس". (فيض الباري: ٣/ ٤١٦)

''جان لو! اصل مذہب میں اشیائے منقولہ کا وقف صحیح نہیں ہے، مگر امام محمدؒ نے ان چیزوں میں اس کی اجازت دی ہے، جو لوگوں میں معروف ہو جائیں''۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ رقم طراز ہیں:

"وجملته أن ما لا يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه كالدنانير والدراهم والمطعوم والمشروب والشمع وأشباهه لا يصح وقفه، في قول عامة الفقهاء وأهل العلم، إلا شيئاً يحكى عن مالك والأوزاعي في وقف الطعام أنه يجوز ولم يحكه أصحاب مالك وليس بصحيح؛ لأن الوقف تحبيس الأصل وتسبيل الثمرة؛ وما لا ينتفع به إلا بالاتلاف لا يصح فيه ذلك". (المغني: ٨/ ٢٢٩)

''خلاصہ یہ کہ جس چیز کو رکھ کر اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو، جیسے درہم و دینار، کھانا، مشروب، شمع اور جیسی دوسری اشیاء وغیرہ تو عام فقہاء اور اہلِ علم کے نزدیک ان کا وقف درست نہیں۔ البتہ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ سے کھانے کے وقف کے متعلق مروی ہے، کہ یہ جائز ہے...... اس بات کو امام مالک کے شاگردوں نے بیان نہیں کیا...... لیکن یہ موقف درست نہیں، کیوں وقف کا مطلب ہے: ''اصل کو باقی رکھنا اور اس کے فائدہ کو اللہ کی راہ میں خیرات کرنا'' اور جس کو تلف کیے بغیر اس سے فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو، اس میں وقف صحیح نہیں ہوتا''۔

مزید لکھتے ہیں:

"وجملة ذلك أن الذي يجوز وقفه ما جاز بيعه، وجاز الانتفاع به مع بقاء عينه، وكان أصلا يبقى بقاءً متصلاً كالعقار والحيوانات والسلاح والأثاث وأشباه ذلك". (٢٣١/٨)

''وقف اسی کا جائز ہے جس کی بیع درست ہے اور اس کو بعینہ باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ اور وہ ایسی چیز ہونہ چاہیے جو متصلاً باقی رہے، جیسے زمین، جانور، اسلحہ، اثاثہ اور اس قسم کی دوسری اشیاء وغیرہ''۔

علماء و فقہاء کا موقف تو اوپر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، البتہ بعض اہلِ علم وہ بھی ہیں جو رقم کو بھی وقف کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ ان میں امام بخاریؒ بھی شامل ہیں، چناں چہ! اُنہوں نے اس کے

حق میں مستقل بھی عنوان بھی قائم کیا ہے:

"باب وقف الدواب والكراع والعروض والصامت". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا)

''جانوروں، گھوڑوں، سامان اور سونے چاندی کے وقف کا بیان''۔

اپنے موقف پر استدلال کرنے کے لیے انہوں نے اس باب کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

"أن عمر حمل على فرسٍ له في سبيل الله أعطاها رسول الله ﷺ ليحمل عليها رجلاً، فأخبر عمر أنه قد وقفها يبيعها، فسأل رسول الله ﷺ أن يبتاعها فقال لا تبتعها ولا ترجعن في صدقتك".

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا اللہ کی راہ میں دے دیا، اور آپ رضی اللہ عنہ نے گھوڑا رسول اللہ ﷺ کو اس لیے دیا تاکہ کسی آدمی کو سواری کے لیے دے دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی کہ اب وہ شخص اس کو فروخت کر رہا ہے، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ وہ [اس شخص سے اپنے] اسی [گھوڑے کو] خرید لے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو مت خرید اور اپنا صدقہ واپس نہ لے''۔

امام بخاریؒ نے اپنے مؤقف کی تائید میں امام زہریؒ کا یہ اثر بھی ذکر کیا ہے:

''امام زہریؒ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جس نے ہزار دینار اللہ کی راہ میں دیے اور وہ اپنے تاجر غلام کے حوالے کر دیے کہ وہ ان سے

تجارت کرے اور اس کا نفع مساکین اور رشتہ داروں کے لیے صدقہ کر دیا۔ کیا وہ شخص اس ہزار کے نفع سے خود کھا سکتا ہے؟ خصوصاً اگر اس کا نفع مساکین کے لیے صدقہ نہ کیا ہو۔ تو امام زہریؒ نے فرمایا: اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس سے کھائے''۔

صحیح موقف

امام بخاریؒ کا تفقہ فی الدین اور مقام و مرتبہ شک و شبہ سے بالاتر ہے، لیکن اگر فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو حسبِ ذیل وجوہ کے باعث ان حضرات کا مؤقف صائب معلوم ہوتا ہے، جو روپے پیسے کے وقف کو جائز نہیں سمجھتے۔

☆ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ وقف میں اصل چیز کو باقی رکھ کر صرف اس کی منفعت خرچ کی جائے گی، اس کی بنیاد پر نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

"إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها".

(صحيح البخاري: ٢٧٣٧)

''اگر تو چاہے تو اس کا اصل روک لے اور اس کی منفعت کو صدقہ کر دے''۔

یہ حدیث اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وقف وہ چیز ہو سکتی ہے، جس کو باقی رکھ کر فائدہ اٹھانا ممکن ہو، جب کہ روپیہ اپنی اصل حیثیت میں رہتے ہوئے کوئی فائدہ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، نہ اس کو کھایا جا سکتا ہے، نہ پہنا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں رہائش رکھی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس پر سواری کی جا سکتی ہے۔ یہ تو محض حصولِ اشیاء کا ایک وسیلہ ہے، یعنی: جب تک اس کو خرچ نہ کریں، اس سے استفادہ ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روپے پیسے کو کرایہ پر دینا بھی درست نہیں، کیوں کہ کرایہ اسی چیز کا لیا جاتا ہے، جسے صرف کیے بغیر استعمال کیا جا سکتا ہو،

چوں کہ نقد میں یہ خوبی نہیں، اس لیے اس کا کرایہ لینا بھی جائز نہیں ہے۔ اسی بناء پر امام نوویؒ اور علامہ ابن قدامہؒ نے درہم و دینار کر وقف کا جواز ان لوگوں کا مسلک بیان کیا ہے جوان کا کرایہ لینا جائز سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: روضۃ الطالبین: ۲/۲۵۴ اور المغنی: ۸/۲۲۹۔

جب راجح مسلک کے مطابق ان کا کرایہ درست نہیں ہے اور مروجہ تکافل کے حامی بھی اس سے متفق ہیں اور وجہ بھی وہی بیان کرتے ہیں جو فقہاء نے وقف کے عدمِ جواز میں ذکر کی ہے کہ نقد کو استعمال کیے بغیر فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔ (اسلامی بینکاری کی بنیادیں، از مولانا تقی عثمانی، ص: ۱۶۹)

اور اسی طرح تکافل کے مؤیدین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ روپیہ پیسہ ایسی چیز نہیں جس کو باقی رکھ کر مستفید ہوا جا سکے، تو پھر فقہائے کرام کی اس شرط کہ ''وقف وہی چیز ہو سکتی ہے، جو باقی رہ کر قابلِ فائدہ ہو'' کو نظر انداز کر کے وقف کے جواز کا فتویٰ دینا سمجھ سے بالاتر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

جو حضرات نقد کے وقف کے قائل ہیں، ان کے خیال میں روپے پیسے کو بھی باقی رکھ کر فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے اور وہ یوں کہ اس سے کاروبار کیا جائے اور جو نفع ہو وہ خرچ کر دیا جائے، اصل کو باقی رکھا جائے، تو یہ توجیہ دو وجہ سے درست نہیں ہے:

☆ ایک تو اس لیے کہ یہ صورت روپے پیسے کو اس کی اصل حیثیت میں باقی رکھ کر فائدہ حاصل کرنے کی نہیں۔ اس طرح کا فائدہ تو روپے پیسے کو کرایہ پر بھی لے کر لیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے باوجود ی شرعاً جائز نہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اس قسم کا فائدہ نقد کی تخلیق کا اصل مقصد نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے المغنی میں لکھا ہے۔

☆ دوسرا اس لیے کہ روپے پیسے کو کاروبار میں لگانے سے فائدہ کی بجائے

نقصان کا بھی اندیشہ ہے اور ممکن ہے کہ وقف ختم ہی ہو جائے۔ اس لیے یہ کہنا کہ وقف کی ہوئی رقم سے کاروبار کر کے اس کا نفع خرچ کیا جائے گا۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد کہ ''اصل روک کے رکھو اور اس کی پیداوار خرچ کرو'' کے خلاف ہے۔

جو حضرات نقد کے وقف کو ناجائز کہتے ہیں، ان کا مؤقف درست ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قائلین نے اپنی تائید میں جو دلائل ذکر کیے ہیں، وہ ثبوت کے لیے ناکافی ہیں، مثلاً: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعے سے ایسی منقولی اشیاء کا وقف تو ثابت ہوتا ہے، جن کا اپنا ذاتی استعمال ہو، مثلاً: گھوڑا جس کا اپنا ذاتی استعمال ہے اور وہ ہے سواری، لیکن نقد جس کا اپنا کوئی ذاتی استعمال نہیں، تو اس کا وقف ثابت نہیں ہوتا۔ امام بخاریؒ نے نقد کو گھوڑے پر قیاس کیا ہے، جو درست نہیں، کیوں کہ ان دونوں میں واضح فرق ہے۔

مزید برآں! یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض اہلِ علم کی رائے میں یہ وقف تھا ہی نہیں، بلکہ صدقہ تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ تو فرمایا کہ اپنا صدقہ مت خریدو مگر بیچنے والے پر پابندی نہیں لگائی۔ اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر کوئی اعتراض کیا۔ اگر یہ وقف ہوتا تو نبی اکرم ﷺ اس کو بھی منع فرمادیتے، کیوں کہ وقف کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

☆ امام زہریؒ کا اثر بھی دلیل نہیں بن سکتا، کیوں کہ یہ وقف کے بارے میں نہیں بلکہ عام صدقہ کے متعلق ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ شخص اس کے نفع سے خود بھی کھا سکتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ اگر یہ وقف ہوتا تو یہ پابندی نہ لگاتے، کیوں کہ وقف کنندہ کو شرعاً اپنے وقف سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔

محدث اسماعیلیؒ فرماتے ہیں:

''زہریؒ کا اثر اس وقف کے خلاف ہے، جس کی اجازت

نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی تھی کہ ''اصل کو روکے رکھو اور ثمرہ خرچ کرو'' سونے ، چاندی سے تو تب ہی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، جب اس کو بعینہ کسی دوسری چیز کی طرف نکالا جائے۔غرض یہ اصل کو روکے رکھو اور ثمرہ خرچ کرو کی صورت نہیں بنتی''۔

حافظ ابن حجرؒ نے محدث اسماعیلیؒ کے اعتراض کا جو جواب دیا ہے وہ صرف زیور جس کا ذاتی استعمال واضح ہے، پر منطبق ہوتا ہے، درہم و دینار پر نہیں، اس لیے اس جو وقف کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

☆ موجودہ تکافل کے حامی فتح القدیر کے حوالے سے امام زفرؒ کے شاگرد محمد بن عبداللہ انصاریؒ کے فتویٰ کا ذکر بھی بڑی شدومد سے کرتے ہیں کہ انہوں نے درہم و دینار کے وقف کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ فتویٰ خود تکافل کمپنیوں کے خلاف جاتا ہے، کیوں کہ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"قيل وكيف؟ قال: يدفع الدراهم مضاربة ثم يتصدق بها في الوجه الذي وقف عليه".

''کہا گیا کہ یہ کیسے ممکن ہے انہوں نے جواب دیا کہ وہ دراہم مضاربہ کی بنیاد پر کاروبار کے لیے دے پھر ان پر صدقہ کرے جن پر وقف کیا گیا ہے''۔

جب کہ تکافل کمپنیوں کے مالکان اپنے قائم کئے ہوئے وقف سے کسی کو بطورِ مضاربہ رقم نہیں دیتے ، بلکہ خود ہی کاروبار کرتے ہیں۔اور اس کی باقاعدہ فیس وصل کرتے ہیں۔امام زہریؒ کے اثر میں بھی یہی ہے کہ اس نے دینار غلام تاجر کو دیے تھے، نہ کہ خود ہی تجارت میں لگا کر اس کے عوض فیس لینا شروع کردی۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ جو حضرات نقد کے وقف کے قائل ہیں ان کا نقطہ نظر کمزور ہے۔ لہذا تکافل کمپنیوں کی بنیاد ہی ایسے مؤقف پر قائم ہے جو دلائل کی قوت سے محروم ہے۔

☆ یہاں یہ وضاحت کر دینا بھی مناسب معلو ہوتا ہے کہ موجودہ تکافل کے حامیوں کی رائے میں پالیسی ہولڈرز کی اقساط سے جو حصہ وقف پول میں جاتا ہے، وہ وقف کی بجائے وقف کی ملکیت ہوتا ہے، جو وقف کے مصالح کے علاوہ ان لوگوں پر خرچ ہوگا، جن کے لیے وقف قائم کیا گیا ہو، جیسا کہ ہم پیچھے بیان کرآئے ہیں۔

سوڈان کے معروف عالم پروفیسر صدیق محمد امین ضریر کے نزدیک اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

> " وما لم يأت الباحث بدليل علىٰ أن ما يترع للوقف يصرف للموقوف عليهم فإن تأصيل التأمين التكافلي علىٰ أساس الوقف ينهار من أساسه". (تعقيب عن بحث تأصيل التأمين التكافلي علىٰ أساس الوقف والحاجة الداعية إليه)

> ''جب تک محقق (مولانا تقی عثمانی) اس بات کی دلیل پیش نہیں کرتے کہ جو عطیہ وقف کو دیا جاتا ہے، وہ ان لوگوں پر ہی خرچ کیا جا سکتا ہے، جن پر وقف کیا گیا ہو، تو وقف کی بنیاد پر تکافلی انشورنس کا اُصول اپنی بنیاد سے ہی اکھڑ جاتا ہے''۔

☆ یہاں اس امر کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دنیا میں مروجہ تکافل کی سب سے پہلی کمپنی سوڈان میں ۱۹۷۹ء میں صدیق محمد امین کی زیرِ نگرانی قائم ہوئی تھی، لیکن اس کی

بنیاد وقف کی بجائے تبرع پر تھی، مگر اس کو وقف کی بنیاد پر قائم تکافل کمپنیوں کے مفتیان کرام جائز نہیں سمجھتے۔

بعض تحقیق طلب مسائل

مروجہ اسلامی انشورنس میں ایلوکیشن اور ایڈمن فیس کے نام پر وصولی بھی غور طلب پہلو ہے، جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں کہ پہلے سال قسط کی ۸۷ فیصد (زیادہ سے زیادہ) دوسرے سال ۲۰ فیصد، جب کہ تیسرے سال ۱۰ فیصد رقم ایلوکیشن فیس کے نام پر کاٹ لی جاتی ہے۔ یہ ساری رقم کنسلٹنٹ جو گاہک گھیر کر لاتا ہے اور برانچ ذمہ داران کی جیبوں میں جاتی ہے اور پالیسی ہولڈروں کو اس کا علم تک نہیں ہوتا۔

یہ بالکل وہی طریقہ ہے جو روایتی انشورنس کا ہے کہ پہلی قسط کا معتد بہ حصہ انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کو دے دیا جاتا ہے، جب نام نہاد اسلامی انشورنس نظریاتی مرحلہ میں تھی، تب یہ کہا جاتا تھا کہ روایتی انشورنس میں یہ ظلم ہوتا ہے کہ پہلی قسط تقریباً پوری کی پوری ایجنٹ کی میں چلی جاتی ہے، جب کہ تکافل میں یہ نہیں ہوتا۔ لیکن جب عملی مرحلہ آیا تو نام نہاد اسلامی انشورنس نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا۔ ہمارے خیال میں یہ پالیسی ہولڈر کے ساتھ زیادتی ہے، وہ اس طرح کہ اگر وہ ایک قسط ادا کرنے کے بعد تکافل کمپنی کو الوداع کہتا ہے تو قواعد وضوابط کے مطابق اس کو صرف وہ رقم ملتی ہے جو انوسٹمنٹ کھاتے میں جمع ہو یا پھر اس سے حاصل ہونے والا نفع۔ اب ستاسی فیصد تو ایلوکیشن کے نام پر پہلے ہی الگ کیا جا چکا ہے، باقی تیرہ فیصد بچا، اس میں سے آدھا وقف میں چلا گیا جو شرعاً واپس نہیں لیا جا سکتا۔ جو باقی رہ گیا اس میں سے ڈیڑھ فیصد مینجمنٹ اور ۶۵ سے لے کر ایک سو دس تک ماہانہ ایڈمن فیس بھی لی جاتی ہے۔ پالیسی ہولڈر کے ہاتھ اس کے سوا کیا آیا کہ تکافل کمپنی کے تنخواہ دار شریعہ بورڈ کے مفتیان کرام کا ایک عدد فتویٰ اور اس کے نتیجے میں اسلام کے نظامِ تکافل

کے متعلق پیدا ہونے والی بدگمانی کہ ''یہ بھی استحصال پر مبنی نظام ہے''۔ (اعاذنا اللہ منہ)

ایلوکیشن فیس کی اس کے علاوہ کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی کہ یہ مختلف حربوں سے مال کھانے کی بدترین شکل ہے۔ مروجہ تکافل کی حامی بڑی سادگی سے کہتے ہیں کہ ہم ہر بات پہلے سے بتادیتے ہیں۔ ناجائز تو تب ہوتا جب کوئی بات خفیہ رکھی جاتی، یہ انتہائی لغو قسم کا استدلال ہے کیا بتا کت باطل طریقے سے کسی کا مال ہڑپ کر جانا جائز ہو جائے گا؟ ناجائز کاروبار میں ملوث لوگوں کی اکثریت بھی یہی کہتی ہے کہ ہم ہر بات پہلے سے طے کرتے ہیں، پھر یہ ناجائز کیسے؟ کیا تکافل کے حامی اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ فقہائے اسلام نے بعض معاملات محض اس لیے ناجائز قرار دئے ہیں کہ ان سے کسی ایک فریق کو نقصان پہنچ رہا ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ مروّجہ تکافل روایتی انشورنس کا ہی چربہ ہے، مگر تاویلات کے ذریعے اس کو جائز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے۔

☆☆..........☆..........☆☆

بابِ پنجم

ملک کے نامور ادارہ

جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی کے دارالافتاء

سے جاری ہونے والا تفصیلی فتویٰ

جو

ماہنامہ بینات، جلد:76 شمارہ نمبر:3

ربیع الاول/1434ھ بمطابق فروری/2013ء

میں شائع ہوا۔

مروجہ تکافل کا شرعی حکم

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

آج کل مروجہ انشورنس کے جائز متبادل کے طور پر مختلف تکافل کمپنیاں کام کر رہی ہیں۔ ہمارے ملک میں تکافل کی بنیاد وقف پر قائم ہیں، جس کا طریقہ کار (تکافل کمپنیوں کے مطابق) یہ ہے کہ پہلے کمپنی کے شیئر ہولڈرز اپنے طور پر کچھ نقدی وغیرہ کو شرعی ضوابط کے مطابق باقاعدہ وقف کرتے ہیں، اس رقم سے ایک وقف پول قائم کیا جاتا ہے۔ان شیئر ہولڈرز کی حیثیت واقف کی ہوتی ہے۔ یہ واقفین اس وقف فنڈ میں کچھ شرائط طے کرتے ہیں، جن میں ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ جو شخص اس وقف فنڈ کو عطیہ دے گا، وہ اس وقف فنڈ سے شرائط کے مطابق فوائد کا مستحق ہوگا۔اس وقف فنڈ سے معطین کا تعلق محض عقدِ تبرع کا ہوتا ہے۔اس تکافل سسٹم میں وقف کرنے والا، وقف کے مصالح کے پیشِ نظر وقف کے دائرہ کار کو مخصوص افراد تک محدود کرنے اور وقف فنڈ سے استفادہ کرنے کی مخصوص شرائط مقرر کرتا ہے،لوگ اس فند کی رُکنیت حاصل کرنے کے بعد باقاعدہ اس فنڈ کو، تکافل کمپنی کے واسطے سے ایک خاص مقدار میں حسبِ شرائطِ وقف نامہ، عطیات دیتے ہیں اور جن شرکاء کو کبھی کوئی نقصان پہنچے تو وہ وقف فنڈ سے فوائد کے حصول کے مستحق ہوتے ہیں۔ جو عطیات اس فنڈ میں آتے ہیں وہ بذاتِ خود وقف نہیں ہوتے ، بلکہ مملوکِ وقف ہوتے ہیں، اس لیے وقف فنڈ ان عطیات کو قواعد وضوابط کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ مذکورہ وقف فند کو شرعی طریقہ کے مطابق کاروبار میں بھی لگایا جاتا ہے اور اس سے حاصل شدہ

نفع کا مالک یہی وقف فنڈ ہوتا ہے۔

تکافل نظام میں کمپنی کی حیثیت

تکافل نظام میں کمپنی کی ایک حیثیت وکیل یا مینجر کی ہوتی ہے۔ کمپنی وقف فنڈ کی دیکھ بھال کے لیے ''وکالہ فیس'' وصول کرتی ہے۔ یہ فیس وقف فنڈ کے لیے دیئے گئے عطیات سے وصول کی جاتی ہے۔ نیز! کمپنی وقف فنڈ میں موجود رقم کو اسلامی اصولوں کے مطابق سرمایہ کاری میں لگاتی ہے، اس حیثیت سے کمپنی چوں کہ مضارب ہوتی ہے اور ''فنڈ'' رب المال ہوتا ہے۔ لہٰذا کمپنی مضاربہ کے نفع میں سے متعین حصہ وصول کرتی ہے۔

اس وقف فنڈ سے شرکاء کو جو فوائد دیئے جاتے ہیں، وہ فوائد اِن معطین (فنڈ جمع کرانے والے شرکاء) کی طرف سے دیئے گئے عطیات کی بنیاد پر نہیں ہوتے، بلکہ عطاءِ مستقل ہوتے ہیں، اس لیے یہ ضروری نہیں کہ وقف فنڈ ہر پالیسی ہولڈر کے ہر نقصان کو پورا کرے، چناں چہ! اگر اس وقف فنڈ میں رقوم کم ہوں اور نقصانات زیادہ ہو جائیں تو وقف فند اپنے پاس موجود رقم کے بقدر نقصانات کی تلافی کر کے بقیہ پالیسی ہولڈرز سے معذرت کرنے کا حق بھی رکھتا ہے۔

پالیسی ہولڈرز کے دیئے گئے عطیات میں ایک حصہ سرمایہ کاری کے لیے بھی رکھا جاتا ہے، مثلاً: مضاربہ کے لیے، تکافل کمپنی اس کے انتظامات بحیثیت مضارب کے سنبھالتی ہے، جب کہ پالیسی ہولڈرز سرمایہ میں آپس میں شریک ہوتے ہیں۔

تکافل کے تحت دی جانے والی سہولیات میں ایک سہولت فیملی تکافل کی بھی ہے، جو لائف انشورنس کا متبادل طریقہ ہے۔

سوالات

۱..... کیا وقف کی بنیاد پر تکافل کا مروجہ طریقہ شرعاً درست ہے؟

۲......تکافل کے تحت دی جانے والی سہولیات مثلاً: میڈیکل گروپ تکافل، گروپ تکافل اور جنرل تکافل وغیرہ استعمال کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

۳......اگر کوئی کمپنی اپنے ملازمین کے فائدے کے لیے میڈیکل گروپ تکافل کی پالیسی لے، جس کی صورت یہ بنتی ہے کہ کمپنی پالیسی ہولڈر ہوتی ہے اور وہ تکافل کمپنی کے واسطے سے وقف فنڈ کو عطیہ دیتی ہے، جس کے نتیجہ میں اس کے ملازمین کو وقف فنڈ کے قواعد کے مطابق علاج معالجہ کی سہولت ملتی ہے۔ اس میں ایک منفرد بات یہ ہے کہ جو عطیٰ دیتا ہے (یعنی: کمپنی) وہ فائدہ اٹھانے والا نہیں اور جس کو فائدہ دیا جاتا ہے "ملازمین" وہ عطیہ دینے والا نہیں ہے، کیا یہ صورت شرعاً درست ہے؟

۴......اگر شرعاً یہ جائز نہیں ہے تو کیا بدامنی اور دہشت گردی کے موجودہ بدترین حالات میں مجبوری کی وجہ سے تکافل کروانے کی کوئی گنجائش نکلتی ہے؟

جامعہ کی ویب سائٹ پر تکافل کے سلسلے میں کئی مختصر فتاویٰ موجود ہیں، جن میں مفصل اور مدلل فتوے کے لیے دارالافتاء سے رجوع کرنے کی ہدایت ہے، لہٰذا براہ کرم اس معاملے میں مفصل و مدلل فتویٰ جاری فرما کر ممنون فرمائیں، والسلام۔

مستفتی: اظفر اقبال رشید، بہادر آباد، کراچی

الجواب حامداً و مصلیاً

واضح رہے کہ انشورنس کے متبادل تکافل یا اسلامی انشورنس کے نام سے جو نظام رائج ہے، جس کا طریقہ ان کی بتائی ہوئی تفصیلات کے مطابق یہ ہے کہ اسلامی انشورنس کمپنی

اپنے کچھ سرمایہ سے ایک وقف فنڈ قائم کرتی ہے، اس فنڈ کے شرائط میں سے ہے کہ جن ممبران کا کسی حادثہ میں نقصان ہو جائے، اس فنڈ کے منافع میں سے ان کے نقصان کی تلافی کی جائے گی، فنڈ کا ممبر بننے کے لیے اس میں ایک خاص مقدار میں چندہ دینا ہوگا جو ہر نوع انشورنس کے مطابق ہوگا۔

اسلامی انشورنس کمپنی اپنے سرمایہ سے ایک تو وقف فنڈ کا انتظام کرتی ہے اور اس سے متعلقہ تمام خدمات کو اجرت پر سرانجام دیتی ہے، وقف فنڈ کی وقف شدہ اور مملوکہ رقموں پر کمپنی مضارب کے طور پر کام کرتی ہے اور نفع سے اپنا حصہ وصول کرتی ہے۔

مذکورہ نظامِ تکافل کی بنیاد وقف کے قواعد پر ہے، لیکن اس نظام میں ان قواعد کی رعایت نہیں کی جاتی، کیوں کہ مروجہ نظامِ تکافل میں ابتداءً وقف فنڈ قائم کرنے والے خود اپنا بھی تکافل کرواتے ہیں، اور اپنی ہی وضع کردہ شرائطِ وقف کے تحت اپنے ہی موقوفہ مال کے فوائد سے نفع اٹھاتے ہیں، جب کہ وقف میں نقود کا وقف بذاتِ خود محلِ نظر ہے، اگر شاذ قول کے مطابق درست بھی کہا جائے تو نقود کا وقف کرنے والے خود اپنی وقف کردہ منقولی شئے (نقود وغیرہ) سے منتفع نہیں ہو سکتے، یعنی: منقولی اشیاء میں ''وقف علی النفس'' درست نہیں، شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

''بدائع الصنائع'' میں ہے:

"منها (أي: من شرائط الجواز للوقف) أن يكون مما لا ينتقل ولا يحول كالعقار فلا يجوز وقف المنقول مقصودا لما ذكرنا أن التائيد شرط جوازه ووقف المنقول لايتأبد لكونه على شرف الهلاك، فلا يجوز وقفه مقصوداً". (ج: ۵، ص: ۳۲۹، كتاب الوقف والصدقة،

فصل في شرائط الجواز للوقف۔ط:داراحياء التراث العربي)

''فتاویٰ تنقیح الحامدیہ''میں ہے:

" وفي موضع آخر من الوقف من فتاوى الشلبيؒ ما نصه: فإذا كان وقف حكم بصحة وقف الدراهم على النفس، هل ينفذ حكمه؟............... فنقول: النفاذ مبني على القول بصحة الحكم الملفق وبيان التلفيق أن الوقف على النفس لا يقول به إلا أبو يوسفؒ وهو لا يرى وقف الدراهم ووقف الدراهم لا يقول به إلازفرؒ وهو لا يرى الوقف على النفس فكان الحكم بجواز وقف الدراهم على النفس حكما ملفقا من قولين كما ترى. وقد مشى شيخ مشايخنا العلامة زين الدين قاسمؒ في "ديباجته تصحيح القدوری" على عدم نفاذه ونقل فيها عن كتاب "توفيق الحكام في غوامض الأحكام" أن الحكم الملفق باطل باجماع المسلمين". (ج:۱، ص:۱۱۱، المكتبة الحقانية)

''فتاویٰ شامی''میں ہے:

"وظاهر ما مرفي مسئلة البقرة اعتبار العرف الحادث فلا يلزم كونه من عهد الصحابة وكذا ظاهر ما قدمنا آنفاً من زيارة بعض المشائخ جرى لتعامل فيها

وعلى هذا اعتبار العرف في الموضع أو الزمان الذي اشتهر فيه دون غيره فوقف الدراهم متعارف في بلاد الروم دون بلادنا ووقف الناس والقدوم كان متعارفاً في زمن المتقدمين ولم نسمع به في زماننا فالظاهر أنه لا يصح الآن ولكن وجد نادراً لا يعتبر لما علمنا أن التعامل هو الأكثر استعمالاً ". (ج:٤، ص: ٣٦٤، كتاب الوقف، مطلب في التعامل والعرف)

۲......دوسری خرابی اس نظام میں یہ ہے کہ عاقدین کا عاقل، بالغ ہونا ضروری ہے، جب کہ یہاں پر عقد کی نسبت کمپنی (شخص قانونی) کی طرف ہوتی ہے، جو کہ ایک فرضی اور معنوی چیز ہے، خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے اور یہ سراسر غلط ہے۔

''بدائع الصنائع'' میں ہے:

"شرائط الانعقاد وأنواع .... أما الذي يرجع إلى العاقد، فنوعان، أحدهما: أن يكون عاقلاً، فلا ينعقد بيع المجنون والصبي الذي لا يعقل، لأن أهلية المتصرف شرط انعقاد التصرف، والأهلية لا يثبت بدون العقل، فلا يثبت الانعقاد بدونه:............ والثاني: العدد في العاقد، فلا يصلح الواحد عاقداً من الجانبين في باب البيع إلا الأب".(ج:٥، ص: ٥٣٣، ٥٣٧، ط: دار الكتب العلمية)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ عاقدین کا عاقل، نفع ونقصان کو جاننے والا،

صاحبِ بصیرت ہونا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ شخص قانونی میں ان صفات کا پایا جانا ناممکن ہے، جس کی بناء پر تمام معاملات حقیقت میں ڈائریکٹر ہی سرانجام دیتے ہیں، چناں چہ وہ ڈائریکٹر جب ایک شخص قانونی کو رب المال اور دوسرے شخص قانونی کو مضارب بناتے ہیں (اس حال میں کہ ان دونوں کے متولی وہ خود ہوتے ہیں) تو نفس الامر میں وہ خود عقد کے دونوں پہلو ''رب المال'' اور ''مضارب'' بنتے ہیں، اس لیے کہ ڈائریکٹرز حضرات ہی کمپنی اور وقف فنڈ کی نمائندگی کرتے ہیں، گویا وہ یوں کہتے ہیں کہ (وقف فنڈ کی طرف سے) ہم مال ''مضاربت'' کے لیے دیتے ہیں اور (کمپنی کی طرف سے) ہم مال ''مضاربت'' کے لیے وصول کرتے ہیں۔ دوسری طرف عام طور پر ان ڈائریکٹرز کو ہی کمپنی بھی کہا جاتا ہے، نتیجۃً ایک ہی فردِ (حقیقی) خود ہی رب المال ٹھہرا اور خود ہی مضارب، جس کا شریعت میں کوئی تصور نہیں ہے۔

۳..... تیسری خرابی اس نظام میں یہ ہے کہ چندے کی رقم وقف کی ملکیت ہے اور شریعت کی رو سے اس رقم کا مالک کو واپس کرنا جائز نہیں، نہ کل کی (واپسی)، نہ جز کی (واپسی)، اس رقم کو وقف رقم کی طرح صرف وقف کے مصالح اور مقاصد میں خرچ کیا جا سکتا ہے، ایسی کوئی صورت نہیں کہ ''متولی'' وقف کی ملکیت مالک کو واپس کردے یا چندہ دہندہ اس کو واپس لے لے۔

''البحر الرائق'' میں ہے:

> "قوله أو لا يملك (الوقف) بإجماع الفقهاء، كما نقله في فتح القدير، ولقوله عليه السلام لعمر رضي الله عنه: "تصدق بأصلها" لا تباع ولا تورث، ولأنه باللزوم خرج عن ملك الواقف، وبلا ملك لا يتمكن من البيع،

أفاد بمنع تمليكه و تملكه منعَ رهنه، فلا يجوز للمتولي رهنه". (ج:٥، ص:٥٠٢، ط:سعيد)

اور تکافل میں چندے کی رقم چندہ دہندہ کو مختلف ناموں سے واپس کی جاتی ہے، جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں ہے۔

۴..... چوتھی خرابی اس نظام میں یہ ہے کہ اسلام کے نظام کفالتِ عامہ کی بنیاد خالص تبرع پر ہے، جیسا کہ رفاعی وخیراتی ادارے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، جب کہ مروّجہ تکافل میں پالیسی ہولڈر اور وقف فنڈ کے درمیان ہونے والا معاملہ عقدِ معاوضہ کی حیثیت رکھتا ہے، جو کہ درست نہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں سوال نامے کے مشمولات کے مختصر جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱)..... صورتِ مسئولہ میں مذکورہ بالا مفاسد کی بنا پر تکافل کا مروجہ طریقہ شرعاً درست نہیں۔

(۲)..... تکافل کے تحت دی جانے والی سہولیات اور پالیسیوں کا لینا اور استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں۔

(۳،۴)..... اگر کوئی کمپنی اپنے طور پر ملازمین کی تنخواہوں سے کٹوتی نہ کرے تو ایسی صورت میں اس سہولت سے ملازمین کے لیے فائدہ اٹھانا شرعاً جائز ہے اور اگر ملازمین کی تنخواہوں سے کٹوتی کی وجہ سے ان کو سہولیات دی جاتی ہیں تو اس صورت میں اس سے فائدہ اُٹھانا درست نہیں۔

واضح رہے کہ ملازمین کو علاج ومعالجہ کی سہولت میسر کرنا کمپنی کی ذمہ داری ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ عطیہ دینے والا فائدہ اُٹھانے والا نہیں اور جس کو فائدہ دیا جاتا ہے وہ عطیہ دینے والا نہیں، یہ بات درست نہیں، بلکہ حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔ نیز! اس تکافل والے

نظام میں بہت زیادہ تناقض بھی ہیں، جیسا کہ خود سائل مندرجہ ذیل الفاظ سے واضح ہے:

"اس وقف فنڈ سے شرکاء کو جو فوائد دیئے جاتے ہیں، وہ فوائد اِن معطین (فنڈ جمع کرانے والوں) کی طرف سے دیئے گئے عطیات کی بنیاد پر نہیں ہوتے، بلکہ عطاءِ مستقل ہوتے ہیں، اس لیے یہ ضروری نہیں کہ وقف فنڈ، ہر پالیسی ہولڈر کے ہر نقصان کو پورا کرے، چناں چہ! اگر اس وقف فنڈ میں رقوم کم ہوں اور نقصانات زیادہ ہو جائیں تو وقف فنڈ اپنے پاس موجود رقم کے بقدر نقصانات کی تلافی کر کے بقیہ پالیسی ہولڈرز سے معذرت کرنے کا حق بھی رکھتا ہے"۔

اس عبارت میں غور کرنے سے یہ تناقض واضح طور پر سمجھ میں آئے گا کہ اگر یہ فوائد عطیات کی بنیاد پر نہیں ہوتے، بلکہ عطاءِ مستقل ہوتے ہیں، تو بقیہ پالیسی ہولڈرز سے معذرت کرنے کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ وغیرہ۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ:
محمد عبدالمجید دین پوری	محمد انعام الحق	محمد مدثر عبدالرزاق
		متخصص فقہِ اسلامی

جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی

☆☆......☆......☆☆

مراجع ومصادر

☆ قرآن حکیم

☆ **احسن الفتاویٰ**، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، ایچ ایم سعید

☆ **اسلام اور جدید دور کے مسائل**، ادارہ اسلامیات، لاہور

☆ **اسلام کا اقتصادی نظام**، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، ندوة المصنفین

☆ **اسلامی بینکاری کی بنیادیں**، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبۃ العارفی

☆ **الأدب المفرد للبخاري**، محمد بن إسماعيل البخاريؒ، المتوفى: ٢٥٦هـ، مكتبة الدليل

☆ **البحر الرائق**، زين العابدين بن إبراهيم بن نجيمؒ، المتوفىٰ: ٩٦٩هـ، دار الكتب العلميه

☆ **الجوهرة النيرة**، الإمام أبي بكر بن علي المعروف بالحدادي، المتوفى: ٨٠٠هـ مكتبه حقانيه، ملتان

☆ **المحلّٰى**، لفخر الدين أبي محمد علي بن احمد بن سعيد بن حزم، المتوفى: ٤٥٦هـ، دار الكتب العلمية

☆ **المغني لابن قدامة**، أبو محمد عبد الله بن أحمد بن قدامةؒ، المتوفى: ٦٢٠هـ، دار عالم الكتب

☆المَورد

☆**الهداية**،للإمام برهان الدين أبي الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني، المتوفى: ۵۹۳ھ، مكتبة البشرى

☆**امداد الاحکام**،مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ،مکتبہ دار العلوم کراچی

☆**امداد الفتاویٰ**،مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ،مکتبہ دار العلوم کراچی

☆**آپ کے مسائل اور ان کا حل**،مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ،مکتبہ بینات

☆**أحكام أهل الذمة**، للشيخ العلامة شمس الدين أبي عبد الله محمد بن أبي بكر المشهور به لابن قيم الجوزية، المتوفى: ۷۵۱ھ، رمادي للنشر، الدمام

☆ **بدائع الصنائع**،علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاسانيؒ، المتوفى: ۵۸۷ھ، دار الكتب العلمية

☆**بیمہ زندگی** از مفتی ولی حسن ٹونکیؒ و مفتی محمد شفیع عثمانیؒ۔دار الاشاعت

☆**تأصيل التأمين التكافلي على أساس الوقف**، للشيخ المفتي تقي العثماني، غير مطبوعة

☆**تعقيب عن بحث تأصيل التأمين التكافلي علىٰ أساس الوقف والحاجة الداعية إليه**،لدكتور الصديق محمد الأمين الضرير، غير مطبوع

☆**تفسير المنار**، لسيد محمد رشيد رضا، دار المنار، القاهرة

☆**تفسير فى ظلال القرآن**،لسيد قطب الدين إبراهيم حسين شاذلي، المتوفى: ۱۳۸۶ھ

☆**تکافل انشورنس کا اسلامی طریقہ**،مولانا اعجاز احمد صمدانی،ادارۃ اسلامیات،لاہور

☆**تکافل کی شرعی حیثیت**،مفتی عصمت اللہ،ادارۃ المعارف،کراچی

☆ **جدید فقہی مسائل،** مولانا خالد سیف اللہ، زمزم پبلشرز
☆ **جدید معاشی مسائل،** مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب، نشریات اسلام، کراچی
☆ **جدید معاملات کے شرعی احکامات،** مولانا احسان اللہ شائق، دارالاشاعت
☆ **جدید مسائل کا شرعی حل،** مولانا خالد سیف اللہ، زمزم پبلشرز
☆**حاشية ابن العابدين** ،محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدينؒ، المتوفى: ١٢٥٢ھ، دار المعرفة بيروت
☆**حجة الله البالغة** ،للإمام الكبير الشيخ أحمد المعروف بشاه ولي الدين ابن عبد الرحيم الدهلوي ،دار الجيل
☆**حاشية ابن العابدين** ،محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدينؒ، المتوفى: ١٢٥٢ھ، دار عالم الكتب
☆**رياض الصالحين** ،للإمام أبي زكريا يحيٰ بن شرف النووي الدمشقي، المتوفى: ٦٧٦ھ، دار السلام
☆**سيرة عمر بن عبد العزيز،** للإمام أبي عبد الله بن عبد الحكيم، المتوفى: ٢١٤ھ، عالم الكتب، بيروت
☆**شرح صحيح بخاري،** للشيخ العلامة أبي الحسه علي بن خلف بن عبد الملك ابن بطال البكري، المتوفى: ٤٤٩ھ، دار الكتب العلمية
☆ **صحيح البخاري،** أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاريؒ، المتوفى: ٢٥٢ھ، دار طوق النجاة / دارلسلام
☆**صحيح مسلم،** مسلم بن حجاج القشيريؒ، النيسابوري، المتوفى: ٢٦١ھ، بيت الأفكار / دار السلام / دار الجيل، بيروت

☆**غیر سودی بینکاری**، مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ، مکتبہ معارف القرآن کراچی

☆**فتاویٰ بینات**، جامعۃ الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، مکتبہ بینات

☆**فتاویٰ تنقیح الحامدیہ**، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز عابدینؒ، المتوفی: ١٢٥٢ھ، دار المعرفة بیروت

☆**فتاویٰ حقانیہ**، جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک، المکتبۃ الحقانیۃ

☆**فتاویٰ دار العلوم دیوبند (امداد المفتین)**، مفتی محمد شفیع دیوبندی، دار اشاعت

☆**فتاویٰ محمودیہ**، مفتی محمود حسن گنگوہی، ادارۃ الفاروق کراچی

☆**فتح القدیر**، للإمام کمال الدین محمد بن عبد الواحد السراسي المعروف بابن الهمام الحنفي، المتوفی: ٨٦١ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت

☆**فیض الباري**، العلامة أنور شاه الکشمیريؒ، المتوفی: ١٣٥٢ھ، دار الکتب العلمیة

☆**کتاب الأموال** لأبي عبید القاسم بن سلام، المتوفی: ٢٢٤ھ، دار الهدي النبوي، مصر

☆**کتاب الخراج**، للإمام أبي یوسف یعقوب بن إبراهیم، الطبعة السلفیة، القاهرة

☆**کتاب الخراج** لیحییٰ بن آدم القرشي، المتوفی: ٢٠٣ھ، المطبعة السلفیة

☆**کتاب الفتاویٰ**، مفتی گل حسن صاحب،

☆**کتاب الفتاویٰ** از مولانا سیف اللہ خالد صاحب، زمزم پبلشرز

☆**کفایت المفتی**، مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، دار اشاعت

☆**ماہنامہ الفاروق**، جامعہ فاروقیہ کراچی سے نکلنے والا ماہنامہ

☆ ماہنامہ المحدث، جامعہ اسلامیہ لاہور سے نکلنے والا ماہنامہ

☆ ماہنامہ بینات، جامعۃ الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے نکلنے والا ماہنامہ

☆ مشکاۃ المصابیح، محمد بن عبد الله الخطیب الطبریزي، المتوفی: ۷۳۷ھ، دار الکتب العلمیة

☆ مُعجَم الطُلّاب

☆ مُعجَمُ لُغَةُ الفُقَهاء

☆ نظام الفتاویٰ، مفتی نظام الدین صاحب، مکتبہ رحمانیہ

☆ ہدیہ جواب، ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب، نشریات اسلام، کراچی

☆☆..........☆..........☆☆

قیاس، استحسان، استصحاب حال، مصالح مرسلہ، عرف وعادت، سد ذرائع،
قول صحابی، شرائع من قبلنا اردو زبان میں پہلی مرتبہ تفصیلی مباحث کے ساتھ

مولانا محمد نعمان

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
استاذ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

تقریظ

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

491/4 شاہ فیصل کالونی کراچی
Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345

لقد کان لکم في رسول الله أسوة حسنة (القرآن)

غزواتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں حق و باطل کے
مابین ہونے والی معرکہ آرائیوں نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
حکم پر بھیجی جانے والی مہمات کی مکمل سرگزشت

مرتب
مفتی محمد محذورہ
فاضل وفاق المدارس العربیہ پاکستان

4/491 شاہ فیصل کالونی کراچی
Tel: 021-34594144 Cell: 0334-3432345